قرۃ العین

مصنّفہ

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

قُرّۃُ العَین

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

بیٹی! تفریح طبع کے لئے تم نے بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ تمہیں یہ بخوبی علم ہے کہ زندگی کو سنوارنے کے لئے دینی کتب ہی ایک مفید ذریعہ ہیں۔ آج میں تمہیں ایک تحریر پڑھنے کے لئے دیتی ہوں۔ اور دُعا کرتی ہوں کہ یہ تمہاری زندگی کو تمہارے گھر میں آسودگی سے گزارنے میں مدد دے۔ آمین۔

تمہیں کسی ٹھوس نظریہ کی تلاش میں کسی دنیوی علوم کو چھاننے کی ضرورت نہیں بلکہ تمہارے پاس تمہاری کامل کتاب کی ایک کامل آیت ہے جس میں خدا کے بندے اپنے ساتھی کے لئے دُعا گو ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں ان صفات سے آگہی حاصل ہو جائے جو بندۂ خُدا اپنے ساتھی میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اٰمین ثمّ اٰمین ؕ

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن بیگم میر مُبارک احمد تالپور
سندھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِنتساب

میں اُن پیاری بچیوں کے نام یہ کتاب معنون کرتی ہوں جنھوں نے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا جبکہ فرض کی دہلیز پر بیٹھے اپنی عمریں گزار دیں۔ اور جو اپنے والدین کی قرۃ العین ہیں یہ دُعا کرتی ہوں کہ :

اے خدا ! تو ان کے صدقے خدّام کو عباد الرحمٰن بنا دے آمین یارب العٰلمین

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ ؛ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ؕ

تعارف

محترمہ حفیظۃ الرحمٰن صاحبہ قمر ایم۔ اے کی کتاب "قرۃ العینؒ" کا مسودہ میری نظر سے گزرا۔ یہ کتاب نہایت ہی دلچسپ۔ اچھوتے اور دلکش پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ نوجوان بچیوں کے لئے یہ ایک مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں نوجوان لڑکیوں کے لئے مذہبی۔ معاشرتی۔ تمدنی اور اقتصادی اخلاقِ حسنہ کی تفاصیل موثر اور دلنشیں انداز سے بیان کرنے کے بعد ان خصوصیات اور اوصافِ حمیدہ کی مالک قابلِ صد احترام اور قابلِ تقلید ہستیوں کا ذکر کر کے ان کے کارہائے نمایاں بیان کئے گئے ہیں۔ تاکہ مطالعہ کرنے والی لڑکیاں محض ان اخلاقِ حسنہ کو ایک قصہ و کہانی نہ سمجھیں بلکہ یقینِ محکم کے ساتھ ان کو اپنانے کی کوشش کریں اور اپنی شخصیت کی تکمیل اپنی اپنی استعداد کے مطابق کر کے بلند ترین مقام حاصل کریں۔

عموماً اپنی بچی کو شادی کے وقت رخصت کرتے ہُوئے ہر ماں اسے چند نصائح کرنا ضروری اور مناسب خیال کرتی ہے جس کے لئے بعض اوقات علم کی کمی۔ قوتِ بیان کی کمی اور وقت کی کمی کی وجہ سے ایک ماں پورے طور پر وضاحت نہیں کر سکتی۔ ایسی صورت میں اسے شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اخلاقیات پر کوئی اچھی سی کتاب میسّر آجائے تاکہ وہ بچی کو مطالعہ کروا کر اپنے فرض سے صحیح طور پر سبکدوش ہو سکے۔

چنانچہ اس کتاب نے اس کمی کو پورا کردیا ہے اور ماؤں کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کردیا ہے ۔ بشرطیکہ اس کتاب کا مطالعہ بچی کو کروادیا جائے ۔

علاوہ ازیں مجھے امید واثق ہے کہ نہ صرف لڑکیوں کو بلکہ ہر پڑھنے والے کو اس کتاب کے مطالعہ سے ضرور فائدہ پہنچے گا ۔ نیز اس کا مطالعہ ایک عمدہ اور نفیس معاشرہ قائم کرنے میں ممد اور معاون ثابت ہوگا جس سے نہ صرف ایک عورت اپنے خاوند یا ماں باپ کے لئے قرۃ العین ثابت ہوسکے گی بلکہ مرد بھی اپنے والدین ۔ بیوی اور بچوں کے حقوق کما حقہٗ بجالاکر ان کے لئے قرۃ العین اور سکون قلب کا باعث بنیں گے ۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ہر پڑھنے والے کو اپنے اعزاء و اقارب اور ملت کے لئے قرۃ العین بنادے اور وہ ملک اور قوم کے لئے مفید وجود ثابت ہو ۔ نیز اس کتاب کو تصنیف کرنے والی محترمہ کو ثواب دارین اور اجرِ عظیم عطا فرمادے ۔ آمین یا رب العلمین ۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین ہ

والسلام

خاکسار

محمود احمد قریشی

فہرست مضامین

بابِ اوّل

باب اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِرُ

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ
وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا ۝

(سورۃ فرقان : ۷۵)

قرآن مجید کی اِس دُعا میں عباد الرحمٰن اپنے خدا تعالےٰ کے حضور درخواست گزار ہیں "کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمیں متّقیوں کا امام بنا۔" آمین

بیٹی!! عباد الرحمٰن کی اس دُعا کو سمجھنے کے لئے ذہن یہ تقاضہ کرتا ہے کہ عباد الرحمٰن کی ذاتی علامات وخصوصیات ضرور جان لی جائیں۔ کہ وہ کونسے لوگ ہیں اور کیسے ہیں جن کو خدا تعالےٰ سے یہ طلب ہے کہ ان کی بیوی و بچے اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور وہ کونسی صفات ہیں جن کی بناء پر خدا اُن کی پرواہ کرتا ہے! ور انہیں قرۃ العین عطا کر دیتا ہے ۔ یہ جاننے کے لئے ایک عظیم مفسر سیّدنا حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مختصر لیکن جامع نکات پر غور کرتے ہیں جو آپ نے وضاحت فرما کر عباد الرحمٰن کو دوسرے مردوں سے ممیّز فرما دیا۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"خدا تعالیٰ ہمیں ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے اور یہ تب میسّر آسکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ

عباد الرحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں۔ اور خُدا کو ہر شے پر مقدم کرنے والے ہوں۔ اور آگے کھول کر کہہ دیا۔" وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ ان کا امام ہو گا۔ اس سے گویا متقی ہونے کی بھی دُعا ہے۔"

یہ تو ہوئی حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی جامع نشاندہی جو تمہارے سامنے ہے۔ لیکن اگر تفصیلی علم حاصل کرنا چاہتی ہو۔ تو حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ کی تفسیر جو آپ نے سورہ فرقان کی بالوضاحت فرمائی ہے۔ اُس کے چیدہ چیدہ نکات پر غور کرو تو تمہیں عباد الرحمٰن کی صحیح اور واضح تصویر نظر آجائے گی۔ آپ کی تفسیر کے مطابق نقشہ کچھ یُوں ہے کہ عباد الرحمٰن کیا ہیں۔ وہ نفسِ مطمئنہ رکھتے ہیں۔ شیطان کو اپنے نفس پر غالب آنے نہیں دیتے۔ رحمانیت کے چلتے پھرتے نسخے اور خُدا کی راہ میں بچھا ہوُا وجود ہوتے ہیں۔ غریبوں کے ہمدرد۔ بیوہ و یتیم کے غمگسار۔ زمین پر سکون واطمینان سے چلنے والے یعنی سلامتی اور امن کے خواہاں۔ اور عفو سے کام لینے والے اور خدا تعالےٰ کے لئے اپنی راتیں سجدہ و قیام میں گزارنے والے ہوتے ہیں۔ دعاؤں اور گریہ وزاری سے کام لیتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے آستانہ پر جھکے رہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔

"ان کی راتیں خراٹے بھرتے ہُوئے نہیں گزرتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کی عبادت و محبّت میں گزرتی ہیں۔ وہ جسمانی تاریکی کو دیکھ کر ڈرتے ہیں کہ کہیں روحانی تاریکی بھی اُن پر نہ آجائے۔ اور وہ دعاؤں اور استغفار اور انابت سے خدا تعالےٰ کی رحمت کو جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں[1]۔"

وہ خودسری۔ جھوٹ۔ تعدی کے جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ اسراف و بخل سے پرہیز کرتے ہیں۔ اپنے اہل وعیال کے لئے بہترین اسوہ پیش کرتے ہیں۔ خود متقی ہوتے ہیں۔

---

[1] تفسیر کبیر (سورہ فرقان) جلد پنجم حصہ دوئم صفحہ ۵۱۰

عباد الرحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں۔ اور خُدا کو ہر شے پر مقدم
کرنے والے ہوں۔ اور آگے کھول کر کہہ دیا۔" وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ
اِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ ان کا امام ہو گا۔ اس سے گویا
متقی ہونے کی بھی دُعا ہے۔"

یہ تو ہوئی حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی جامع نشاندہی جو تمہارے سامنے ہے۔
لیکن اگر تفصیلی علم حاصل کرنا چاہتی ہو۔ تو حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ
کی تفسیر جو آپ نے سورہ فرقان کی بالوضاحت فرمائی ہے۔ اُس کے چیدہ چیدہ
نکات پر غور کرو تو تمہیں عباد الرحمٰن کی صحیح اور واضح تصویر نظر آجائے گی۔
آپ کی تفسیر کے مطابق نقشہ کچھ یُوں ہے کہ عباد الرحمٰن کیا ہیں۔ وہ نفسِ مطمئنہ
رکھتے ہیں۔ شیطان کو اپنے نفس پر غالب آنے نہیں دیتے۔ رحمانیت کے چلتے
پھرتے نمونے اور خُدا کی راہ میں بچھا ہُوا وجود ہوتے ہیں۔ غریبوں کے ہمدرد۔
بیوہ و یتیم کے غمگسار۔ زمین پر سکون و اطمینان سے چلنے والے یعنی سلامتی اور
امن کے خواہاں۔ اور عفو سے کام لینے والے اور خدا تعالےٰ کے لئے اپنی راتیں
سجدہ و قیام میں گزارنے والے ہوتے ہیں۔ دعاؤں اور گریہ وزاری سے کام
لیتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے آستانہ پر جھکے رہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"ان کی راتیں خراٹے بھرتے ہُوئے نہیں گزرتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور
اُس کی عبادت و محبّت میں گزرتی ہیں۔ وہ جسمانی تاریکی کو دیکھ کر ڈرتے
ہیں کہ کہیں روحانی تاریکی بھی اُن پر نہ آجائے۔ اور وہ دعاؤں اور استغفار
اور انابت سے خدا تعالےٰ کی رحمت کو جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں[۵]"

وہ خود سری۔ جھوٹ۔ تعدی کے جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ اسراف و بخل سے پرہیز
کرتے ہیں۔ اپنے اہل و عیال کے لئے بہترین اسوہ پیش کرتے ہیں۔ خود متقی ہوتے ہیں۔

[۵] تفسیر کبیر (سورہ فرقان) جلد پنجم حصہ دوئم صفحہ ۱۵۰۔

اور متقیوں کے امام بننے کے لئے اپنی اولاد کو نہایت توجہ اور محنت سے پرورش کرتے ہیں۔ المختصر عبادالرحمٰن کی نشاندہی کے بعد میں تمہیں اُن صفات سے آگاہ کرتی ہوں جن سے متصف ہوکر ایک عورت قرۃ العین کہلاتی ہے اور اُن گرانقدر ہستیوں کا بھی ذکر کرتی ہوں جن کی زندگیاں ہماری بیٹیوں کے لئے مشعلِ راہ اور روشنی کا مینار ہیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ قرۃ العین کی ذاتی خصوصیات سامنے لائی جائیں اُن اختلافی موضوعات پر روشنی ڈالنی اشد ضروری ہے جو گھرانے کو شادی کے بعد جہنم بنا دیتے ہیں۔ اور دونوں کی اچھی بھلی زندگی عذاب بن جاتی ہے۔

بیٹی! تم جانتی ہو کہ شادی قربانی ونظم وضبط کا ایک نام ہے۔ اس میں مختلف طبائع کے دو انسانوں کا ملاپ ہوتا ہے۔ اور کوئی شادی بھی اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ایک دوسرے کے ذوق و پسند کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ اور بیٹی یہ تصوّر کرنا بھی نادانی ہے کہ دو افراد ہم ذوق۔ ہم خیال اور ہم رائے ہو سکتے ہیں۔ حد تو یہ ہے۔ کہ شروعات میں دونوں کے لئے اپنا اپنا توازن پالینا بھی بڑا مشکل امر ہے۔ دونوں اجنبی ہوتے ہیں اور اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ اور ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے سونے جاگنے کی عادتیں ایک سی ہوں۔ دونوں ہی رات کو لیٹ کر مطالعہ کے عادی ہوں۔ اور کھانے پینے کے بارے میں بھی ہم مذاق ہوں۔ لیکن اگر خوش خلقی سے کام لیں۔ اور ایک دوسرے کے لئے قربانی کرنے کی صلاحیت موجود ہو تو شروعات کے اندیشے تو بآسانی ختم ہو ہی سکتے ہیں۔ لیکن قربانی شرط ہے۔ اور قربانی تو مومن کی میراث ہے۔ اور یہ جذبہ مومن میں بوجہ اتم پایا جاتا ہے۔ اور ہوش آتے ہی وہ دقتی۔ مالی اور جسمانی قربانی کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتا۔ دوسرے

دُعا اور صبر کا ہتھیار ہی اُس کے پاس ہوتا ہے جس کے استعمال سے وہ حالات کو مفاہمت اور مطابقت کے سانچے میں ڈھال سکتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کر کے دعاؤں کے سہارے اچھے دنوں کی اُمید کرتا ہے۔

اور بیٹی! کبھی کبھی صرف عورت کو ہی تسلیم و رضا سے کام لینا پڑتا ہے۔ پھر کہیں سمجھوتا اور مفاہمت پیدا ہوتی ہے۔ یوں تو بڑی طویل اور خوشگوار ازدواجی زندگی میں بھی طبیعتوں کا اختلاف باقی رہتا ہے۔ لیکن ایک حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے۔ اس کو سمجھنے کی کوشش بھی کی جا سکتی ہے لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ اختلافات بالکل ناپید ہو جائیں۔ کیونکہ مرد کی فطرت کا یہ تقاضہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی خارجی مشکل پہ قابو پاتا رہتا ہے جبکہ اس کے برعکس عورت کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ محبت کرے اور اُسے چاہا جائے۔ مرد اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس دنیا کو بدلنے کی کوئی ترکیب ایجاد کرے۔ لیکن عورت کی ساری خوشی یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کی پرسکون فضا میں روزمرہ کا کوئی معمولی سا کام کرے۔ خواہ صوفے کی گدیاں بنائے یا سنگار میز کا آئینہ کور تیار کرے۔ ہر چیز میں کسی نہ کسی طرح خاوند کے آرام و سکون کا خیال مدنظر رکھے گی۔

مختصر یہ کہ ایک کامیاب اور خوشگوار زندگی میں عورت کا نصب العین زیادہ تر خاوند کی اطاعت اور دلجمعی ہوتا ہے۔ جس کے لئے وہ شب و روز قربانی کرتی ہے۔ یہاں یہ شک تمہارے ذہن میں آئے گا کہ عورت ہی کیوں سر تسلیم خم کرتی ہے۔ اس لئے بیشتر اس کے کہ قرۃ العین کی قربانیوں کا ذکر کروں۔ جن بناء پر اختلافات کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ اور زندگی کی خوشگن

پگڈنڈیاں روشن تر ہو جاتی ہیں۔ پہلے مَیں تمہیں یہ ذہن نشین کراؤں گی۔ کہ میاں بیوی کا رشتہ کیا ہے؟

رشتہ مابین (خاوند و زوجہ) زوجین

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خاوند و بیوی کا رشتہ ایک ہی سطح پر ہموار ہے اور دیکھنے میں بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جہاں خدا تعالےٰ نے مرد کو فوقیت دی ہے۔ وہ برابر قائم ہے اور قائم رہنی چاہیئے۔ یہ فوقیت عورت کی کمزور صنف کو مدِّ نظر رکھ کر دی گئی ہے۔ اس کی گھریلو ذمہ داریوں کو بانٹ کر کٹھن اور مشکل حصّہ مرد کے سر پر ڈال دیا گیا ہے۔ وہ بیوی کا نگران ہے۔ کھانے پلانے کا ذمہ دار ہے۔ اُس کا محافظ ہے۔ بیماری و تندرستی کا ضامن ہے۔ اور ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کا بوجھ اُس کے کندھوں پر ہے۔ یہ اس کی ذاتی سوچ ہے کہ آمد کہاں سے آئے اور کیسے آئے؟ یہ چیز وہ تنہا سوچتا ہے۔ اور غور و خوض سے کام لے کر عورت کے لئے قربانی کرتا ہے۔

اپنے آپ کو سردی گرمی سے بے نیاز رکھ کر کما کر لاتا ہے۔ جبکہ بیوی چھت کے نیچے سایہ و ہوا میں کام کر رہی ہوتی ہے۔ اور وہ (شوہر) تپتی گرمی کے باوجود اپنے فرض کی ادائیگی میں آتا ہے اور جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے اُسے ذمہ دار اور نگہبان قرار دیا ہے اور قوّامون فرما کر عورت پر حاوی کر دیا ہے۔ اب نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے کام تو بغیر حکمت کے نہیں ہوتے اس میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں۔ خداوند عالم نے عورت کو ایک تقدس عطا کیا اور رسولؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنی محبوب ہستی فرما کر اُسے عظمت عطا کی اور ایک مقام پر آبگینے سے تشبیہ دے کر اُس کی ناتوان صنف پر مہر لگا دی۔ اگر یہی آبگینے۔ تلوار چلانے والے۔ گھوڑے پر سواری کرنے والے۔ لکڑیاں

کاٹنے والے ۔ بجلی کے کھمبے پر چڑھنے والے ۔ ڈوبتے ہوئے کو سمندر کی اتھاہ گہرائی سے نکالنے والے اور منوں بوجھ کمر پر لاد کر پہاڑوں پر چڑھنے والے سے مقابلہ کریں تو یہی آبگینے لاریب ٹوٹ جائیں گے ۔

آجکل ہمارے معاشرہ میں خاندان بنتے کم ہیں اور بگڑتے زیادہ ہیں ۔ اور اس کی وجہ زیادہ تر یہی ہے کہ بیوی نے اپنے مقام کو پہچاننا بند کر دیا ہے اور وہ حاکم اعلیٰ بننے کی کوشش میں خاوند کے سر پہ بھوت کی طرح سوار رہتی ہے۔ شروع شروع میں تو چونکہ مرد مضبوط قویٰ کا مالک ہوتا ہے برداشت کرتا رہتا ہے۔ کبھی نرمی سے کبھی گرمی سے معاملہ نپٹ ہی جاتا ہے ۔لیکن انجام ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے ۔اور اس انجام کی تمام تر ذمہ داری بیوی کے کندھوں پر ہوتی ہے ۔جس نے خدا تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کی اور خاوند کو مجازی خدا نہ مانا بلکہ گھر میں نفاق کا بیج بو دیا ۔ وہ اُسے سکون نہ دے سکی ۔ بلکہ وہ سکون کی تلاش میں رہنے لگا اور پھر وہی ہوا جو ہر روز ہوتا ہے ۔ یہی کہ وہ تعدّد ازدواج کی اجازت سے فائدہ اُٹھانے لگا جو خدا تعالیٰ نے اُسے عطا کی ہوئی ہے ۔

عزیز بیٹی ! اگر بیوی روزِ اوّل سے ہی خاوند کو سربراہ جان کر اُس کی برتری کو تسلیم کرے تو خدا بھی خوش بندہ بھی خوش والا معاملہ ہو جائے ۔حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اِس حقیقت کی کیسی خوبصورت تصویر کھینچی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

> "خاوند عورت کے لئے اللہ تعالیٰ کا مظہر ہوتا ہے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے ۔ پس مرد میں جلالی اور جمالی دونوں رنگ موجود ہونے چاہئیں ۔ اگر خاوند عورت کو کہے کہ تو اینٹوں کا ڈھیر ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھ دے

تو اس کا حق نہیں ہے۔ کہ اعتراض کرے۔ ایسا ہی قرآن مجید اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کے ساتھ مرید کا تعلق ایسا ہونا چاہیئے۔ جیسا عورت کا تعلق مرد سے ہو۔ مرشد کے کسی حکم کا انکار نہ کرے اور اُس کی دلیل نہ پوچھے۔" لہ

انطباقِ زوجین

بحیثیت بیوی عورت کے مقام کی وضاحت تو ہمارے پیارے امام حضرت اقدس نے ہی واضح اور روشن نقطہ دے کر کر دی ہے۔ آپ نے تو باقاعدہ مرشد اور مرید کے تعلق پر خاوند اور بیوی کا تعلق منطبق کر دیا۔ اب کوئی گنجائش ہی نہیں کہ کسی حکم کا انکار کیا جائے یا دلیل پوچھی جائے۔ پس مرد عورت کا پہلے باپ اور بھائی کی حیثیت سے اور بعد میں خاوند کی حیثیت سے نگران ہے۔ وہ ذمہ دار ہے۔ وہ باہر کے معاملات کو سلجھاتا ہے۔ جہاں جانے سے عورت کی رُوح فنا ہوتی ہے۔ وہ راتوں کے اندھیرے میں وہاں جاتا ہے۔ مردہ کو لحد کے اندر اتارتا ہے اور سپردِ خاک کرتا ہے جبکہ عورت وفات شدہ کا چہرہ دیکھ کر بخار میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ یہ اُسی کی فضیلت ہے کہ زمین کا سینہ چیرتا ہے۔ اور آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتا ہے اسی لئے کہ وہ قوام ہے۔ مگر بیٹی بہ نظرِ غور اگر دیکھا جائے تو مذہبی معاملات میں خُدا تعالیٰ نے مرد کو عورت سے زیادہ سخت امتحان میں ڈالا ہے۔ عابد زاہد مرد یا عورت دونوں خدا تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ جزا عبادت کی دونوں کو یکساں نصیب ہوگی۔ لیکن ایک ہی قسم کی عبادت کے لئے جہاں مرد پر مشکلات ہیں عورت پہ آسانیاں نازل کی ہیں مثلاً عورت کو مساجد آباد کرنے کے لئے حکم نازل نہیں ہؤا بلکہ مساجد میں جانے سے مزید ثواب کی مستحق قرار دیا ہے جبکہ مرد کو یہ حکم نازل ہؤا ہے کہ وہ باجماعت نماز ضرور پڑھے تاکہ اگر وہ مساجد میں جاکر باجماعت نماز نہ پڑھے تو

لہ:۔ ملفوظات صفحہ ۱۲۹ حصہ سوئم ؛

سرورِ کائنات رحمۃٌ للعالمین نے ان کے گھروں تک کو جلا دینے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ چنانچہ موسم کی گرمی، سردی، دھوپ، چھاؤں سے قطع نظر اُسے مساجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنی ہے۔ حالانکہ بیوی گھر بیٹھے بٹھائے سنوار کر نماز ادا کر کے ثواب کما لیتی ہے۔ اور مرد چل کر جاتا ہے۔ انتظار کرتا ہے۔ اقتداء کرتا ہے۔ نماز ادا کرتا ہے اور لوٹ کر آتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ خُدا نے اُسے مضبوط بنایا ہے۔ اُسی کی استعداد کے مطابق اُسے احکامات عطا فرمائے ہیں۔ تقریباً تمام ارکان اسلام وہ جان جوکھوں میں ڈال کر ادا کرتا ہے جبکہ بیوی (عورت) تمام اعمالِ صالحہ حتّٰی کہ جہاد بھی آسان طریقہ سے کر لیتی ہے۔ جب بھی دفاع کے لئے تلوار اٹھتی تھی وہ بھی بچے اور عورت پہ نہیں اٹھتی تھی بلکہ مردوں پہ ہی آزمائی جاتی تھی۔ عورتیں جنگ کے نتیجہ میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ تو کس قیمت و غیرت سے اُن سے فدیہ لے کر رہا کر دیا جاتا تھا۔ مکاتبت کر کے آزاد کر دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ خلوص و محبت کے پاکیزہ جذبہ سے سرشار ہو کر ان کی رضامندی و مرضی کے مطابق رشتہ زوجیت میں منسلک کیا جاتا تھا۔ حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ کی مثالوں میں جو خلوص اور انسانی ہمدردی رسُول کریم سیّد المعصومینؐ نے ہمیں دکھائی ہے وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ کتنی بڑی قربانی ہے جو مرد کرتا ہے۔ کہاں ایک دشمن قیدی عورت اور کہاں قبضہ پا لینے والے کا انتقام اور کس طرح مقبوضہ پہ شفقت و رحم کو اُس کو اپنا جیون ساتھی بنا لیا جاتا تھا۔ یہ ایک بڑی عظمت ہے جو عورت کو دی جاتی ہے۔ وگرنہ وہ قیدی کی طرح چکی پیستی۔ محنت و مشقت کرتی۔ اور اخلاقی برائیوں میں ملوث ہو کر تباہ ہو جاتی۔ کتنا بڑا ظرف عطا کیا ہے مرد کو خُدا تعالیٰ نے کہ عورت کے تقدس کے سامنے سب جھوٹی عزتیں قربان کر دیتے

ہیں۔ کیا وہ اب بھی قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ نہیں ہے؟

زینۂ کامیابی

بیٹی! اگرچہ یہ بات کہ مرد افضل ہے یا نہیں میرے مضمون سے تعلق نہیں رکھتی۔ تاہم یہ خالی از فائدہ نہ ہوگا اگر اس حقیقت پر حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ کی بصیرت افروز تفسیر سے روشنی ڈال دی جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ یعنی حقوق کے لحاظ سے تو مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں لیکن انتظامی لحاظ سے مَردوں کو عورتوں پر ایک حقِ فوقیت حاصل ہے اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے ایک مجسٹریٹ انسان ہونے کے لحاظ سے تو عام انسانوں جیسے حقوق رکھتا ہے اور جس طرح ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کو بھی ظلم اور تعدی کی اجازت نہیں اُسی طرح مجسٹریٹ کو بھی نہیں۔ مگر پھر بھی وہ بحیثیت مجسٹریٹ اپنے ماتحتوں پر فوقیت رکھتا ہے اور اُسے قانون کے مطابق دوسروں کو سزا دینے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمدنی اور مذہبی معاملات میں مرد و عورت دونوں کے حقوق برابر ہیں۔ لیکن مَردوں کو اللہ تعالےٰ نے قوّام ہونے کی وجہ سے فضیلت عطا فرمائی ہے"۔ [1]

عزیزہ! اگر دیکھا جائے تو خدا تعالیٰ نے اور اُس کے محبوب محمدؐ مصطفےٰ رحمۃٌ للعالمین نے عورت کو کرسی پہ بٹھا دیا ہے۔ پھر بھی عورت کی اپنی جسمانی اور ذاتی نزاکت اُسے مرد کا نائب ہی ثابت کرتی ہے۔ عورتیں بڑے بڑے کاروباری ادارے بھی چلاتی ہیں اور حیرت انگیز قابلیت سے چلاتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ قابل

---

[1]:۔ تفسیر سورۃ البقرہ صـ۵۱۳ ﷺ

عورتیں ایک دبی ہوئی خواہش رکھتی ہیں کہ کوئی ایسا مرد ہو جو ان کی جگہ لے لے۔ اور وہ یہ ذمہ داری چھوڑ کر اُس کی مددگار اور نائب بن جائیں۔ وہ ایک اچھی قابل نائب ضرور ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک اچھی خالق اور کارساز نہیں کیونکہ اس کی اصلی تخلیق تو اُس کے پیچھے ہیں۔ پس حرفِ آخر کے طور پر تمہیں بیٹی حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا پیارا اور جامع جواب سناتی ہوں جو بہت واضح ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"مساوات سے کیا مراد ہے؟ مساوات تو ایک ہی جنس کے مابین ہوتی ہے۔ اور اُن کو عطا کی جانے والی استعدادوں کے مطابق ہوتی ہے۔ اسلام نے مَردوں اور عورتوں دونوں کے حقوق تسلیم کئے ہیں۔ لیکن مَردوں اور عورتوں کو ایک جیسی استعداد نہیں دی گئیں۔ بعض لحاظ سے عورتوں کو ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ وہ زیادہ بوجھ اٹھاتی ہیں۔ بعض لحاظ سے اُن پر ذمہ داریوں کا بوجھ کم ہے۔ قدرت نے مرد و عورت کو ایسا ہی بنایا ہے۔ مثال کے طور پر عورتیں بچے جنتی ہیں۔ مرد جن نہیں سکتے۔ لہٰذا دونوں میں اس لحاظ سے مساوات قائم نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ نے دونوں کو ایسا ہی بنایا ہے۔ اس میں کسی انسان کا دخل نہیں ہے اسلئے اسلام نے مَردوں، عورتوں کے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار مقرر کر دیئے ہیں۔ عورتوں کا دائرہ کار یہ ہے کہ وہ بچوں اور نئی نسلوں کی پرورش اور تربیت کریں۔ اس کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے خدا تعالیٰ نے ماں اور بچے کے درمیان بے مثال محبّت پیدا کر دی ہے۔ اس بے مثال محبت کی وجہ سے ماں ہی بچے کی تربیت کر سکتی ہے۔ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ مَردوں کا دائرہ کار یہ مقرر کیا ہے کہ وہ روزی کمائیں اور بیوی بچوں کی

عورتیں ایک دبی ہوئی خواہش رکھتی ہیں کہ کوئی ایسا مرد ہو جو ان کی جگہ لے لے۔ اور وہ یہ ذمہ داری چھوڑ کر اُس کی مددگار اور نائب بن جائیں۔ وہ ایک اچھی قابل نائب ضرور ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک اچھی خالق اور کارساز نہیں کیونکہ اس کی اصلی تخلیق تو اُس کے نیچے ہیں۔ پس حرفِ آخر کے طور پر تمہیں بیبی حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا پیارا اور جامع جواب سناتی ہوں جو بہت واضح ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"مساوات سے کیا مراد ہے؟ مساوات تو ایک ہی جنس کے مابین ہوتی ہے۔ اور اُن کو عطا کی جانے والی استعدادوں کے مطابق ہوتی ہے۔ اسلام نے مردوں اور عورتوں دونوں کے حقوق تسلیم کئے ہیں۔ لیکن مردوں اور عورتوں کو ایک جیسی استعداد نہیں دی گئیں۔ بعض لحاظ سے عورتوں کو ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ وہ زیادہ بوجھ اٹھاتی ہیں۔ بعض لحاظ سے اُن پر ذمہ داریوں کا بوجھ کم ہے۔ قدرت نے مرد و عورت کو ایسا ہی بنایا ہے۔ مثال کے طور پر عورتیں بچے جنتی ہیں۔ مرد جن نہیں سکتے۔ لہٰذا دونوں میں اس لحاظ سے مساوات قائم نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ نے دونوں کو ایسا ہی بنایا ہے۔ اس میں کسی انسان کا دخل نہیں ہے اسلئے اسلام نے مردوں، عورتوں کے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار مقرر کر دیئے ہیں۔ عورتوں کا دائرہ کار یہ ہے کہ وہ بچوں اور نئی نسلوں کی پرورش اور تربیت کریں۔ اس کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے خدا تعالیٰ نے ماں اور بچے کے درمیان بے مثال محبت پیدا کر دی ہے۔ اس بے مثال محبت کی وجہ سے ماں ہی بچے کی تربیت کر سکتی ہے۔ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ مردوں کا دائرہ کار یہ مقرر کیا ہے کہ وہ روزی کمائیں اور بیوی بچوں کی

ضروریات کا متکفل ہوں"۔

پس ان کے دائرہ کار کی وضاحت کے بعد ہی ان کی کامیابی کا زینہ ہے کہ وہ اِس دائرہ میں رہ کر اپنی استعداد کا صحیح استعمال کریں۔

دین و اتقاء

ہاں۔ یہ بتانا میں بُھول ہی گئی کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے انتخاب میں چند باتوں کو مدّنظر رکھیں۔ اِس بارے میں سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس میں آپؐ فرماتے ہیں کہ:۔

"تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ" [۱]

یعنی۔ بیوی کا انتخاب چار باتوں سے کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ مال و دولت کی بناء پر بیوی کا انتخاب کرتے ہیں۔ بعض حسب و نسب پر انتخاب کرتے ہیں۔ بعض عورت کے حسن و جمال کو دیکھتے ہیں۔ اور بعض دین و اخلاق کے پہلو کو مقدم کرتے ہیں۔ مگر اے مرد مومن! تو اخلاق اور دین کے پہلو کو مقدم کیا کر ورنہ تیرے ہاتھ ہمیشہ خاک آلود رہیں گے"۔

پس ثابت ہُوا کہ بیوی کی اخلاقی و دینی حالت کو اوّلیت حاصل ہے اور قرۃ العین کے دین و اخلاق کا منبع اُس کا اتقاء ہے۔ خدا کی پہچان ہے۔ خدا تعالیٰ کی حقیقی محبت ہے جو سب دنیوی محبتوں پر غالب ہے۔ وہ یہ جانتی ہو۔ کہ "ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں"۔

؎ ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے ؛ اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اور وہ یہ بھی روزِ روشن کی طرح یقین رکھتی ہو کہ جیسے ہمارے پیارے امام حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے فرمایا ہے کہ:۔

---

[۱]:۔ بخاری شریف

"خدا ایک پیارا خزانہ ہے اُس کی قدر کرو۔ کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں وہ تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اُس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ ہیں"۔ ؎۱

پس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ کہنے والی عشق الٰہی سے اپنے دل و دماغ کو تازہ رکھتی ہو۔ کیونکہ واحدانیت میں کامل یقین کا لازمی نتیجہ بنی نوع انسان سے ہمدردی۔ اخوت اور حقوق العباد کی ادائیگی ہوتا ہے۔ اُسے یہ کامل بھروسہ ہو کہ ہر تکلیف کا مداوا صرف خُدا ہی کر سکتا ہے۔ "ہر خوشی کا سرچشمہ بھی وہی ہے"۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اس سے اور زیادہ لطیف پیرایہ میں ہمیں خُدا کا روشن چہرہ دکھایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا۔ اور اُس کو حاصل کرنا کیا ہے اس کو پہچاننا اور سچا ایمان اس پر لانا۔ اور سچی محبت کے ساتھ تعلق اُس سے پیدا کرنا۔ اور سچی برکات اُس سے پانا۔ پس اس قدر دولت پا کر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے مریں اور میں عیش کروں۔ یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا دل ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر کباب ہو جاتا ہے۔ ان کی تاریکی اور تنگ گذرانی پر میری جان گھٹتی جاتی ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے اُن کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے جواہر ان کو اتنے ملیں کہ ان کے دامنِ استعداد پُر ہو جائیں"۔ ؎۲

پس قرۃ العین سچائی اور یقین کے جواہر سے پُر رسُولِ خدا محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سچی عاشق ہے۔ وہ جانتی ہے کہ خدا تعالیٰ کا حقیقی چہرہ دکھانے والا صرف اور صرف محمد رسُول اللہ کا بابرکت وجود ہے۔ جس نے ہمیں خُدا سے ملا کر خُدا کے وصال

؎۱:۔ کشتی نوح صفحہ ۲۰ ؎۲:۔ اربعین نمبر ۱ صفحہ ۳-۲

کی راہیں ہم پر کھول دیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنی کم مائیگی اور غفلت سے خدا تعالےٰ کی برگزیدہ ہستیوں میں شامل نہ ہو سکیں ایک نیک بی بی اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ پر مکمل ایمان رکھتی ہے۔ وہ قطعی متوکل ہے وہ جانتی ہے کہ قرآن کریم پڑھنے اور سمجھنے اور عمل کرنے سے اُسے تسلّی اور تسکین حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" قرآن کریم سیکھو اور اُسے پڑھتے رہا کرو"۔ جو شخص قرآن سیکھتا ہے اور پھر اُسے پڑھتا رہتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہؤا ہو۔ اور اُس کی خوشبو نکل نکل کر سارے مکان میں پھیل رہی ہو۔ اور جو شخص قرآن سیکھ کر سو جائے اس حالت میں کہ قرآن اُس کے اندر ہو اُس کی مثال ایسی تھیلی کی سی ہے جس میں مشک بند پڑا ہو۔ [1]

ہاں تو الخیر کلہ فی الْقُرْاٰن کی قائل قرۃ العین دن میں کم از کم ایک بار تلاوت ضرور کرتی ہے۔ پڑھتی۔ سمجھتی ہے۔ زبانی یاد کرتی ہے بلکہ حفظِ قرآن تو اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ ہاتھ چپاتی بنانے میں مشغول ہوتا ہے لیکن زبان پر شیرینیِ قرآن کریم کی آیات مبارکہ کی ہوتی ہے جس کی ہر آیت موتیوں کی لڑی کی طرح پروئی ہوتی ہے۔ قرآن تو خود بتاتا ہے کہ میرے اندر یہ خزانے ہیں۔ پس رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں سے پیار۔ ہمسائیوں سے ہمدردی۔ غریبوں کی مدد اور ان سے محبت کرنا اُس کا جزوِ ایمان ہے۔ وہ جانتی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:-

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم اُس وقت تک حقیقی مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک میں تمہارے باپ اور تمہاری اولاد سے تمہیں زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ [2]

"پس کیا ہی وہ خوش نصیب آدمی ہے جس نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1]:- ترمذی جلد دوئم ابواب فضائل القرآن۔ [2]:- بخاری کتاب الایمان۔

پیشوائی کے لئے قبول کیا اور قرآن شریف کو راہنمائی کے لئے اختیار کیا“[1]
بیبی! چونکہ محبت کا یہ تقاضہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے محبوب کا ذکر ہر وقت کرتا ہے
اس لئے وہ اپنے محسن رسولِ خدا کو اُٹھتے بیٹھتے ۔سوتے جاگتے ہر وقت یاد رکھتی ہے
اگرچہ وہ مصروف کار ہوتی ہے لیکن زبان پر اپنے پیارے کا نام جاری رہتا ہے اور
درود وسلام اس کا شعار ہے۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ درود کی برکت سے اسکے
تمام کام آسان ہو جائیں گے۔ اپنی کتاب نور الحق حصہ اوّل کے صفحہ ۴ پر حضرت اقدس
فرماتے ہیں۔ کہ

”تمام تعریفیں خدا کے لئے ثابت ہیں۔ جو تمام عالموں کا پروردگار
ہے اور درود وسلام اس کے نبیوں کے سردار پر جو اسکے دوستوں
میں سے برگزیدہ اور مخلوق اور ہر ایک پیدائش میں پسندیدہ اور خاتم الانبیاء
اور فخر اولیاء ہے۔ ہمارا سید۔ ہمارا امام اور ہمارا نبی محمد مصطفٰےؐ جو زمین
کے باشندوں کے دل روشن کرنے کے لئے خدا کا آفتاب ہے۔ اور سلام
درود اُس کی آل اور اُس کے اصحاب اور ہر یک پر جو مومن اور حبل اللہ
سے پنجہ مارنے والا اور متقی ہو۔ اور ایسا ہی خدا کے تمام نیک بندوں
پر سلام“

---

[1] سرمہ چشم آریہ حاشیہ ص ۲۴۹-۲۵۰)

بابِ دوئم

قربانی

جیسے کہ تم جانتی ہو کہ عبادات یعنی ارکان اسلام نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ روحانی ترقی کے لئے ایک زینہ ہے۔ اور اس زینے کے پہلے ہی مرحلہ پر چڑھنے کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ ہے قربانی۔ قربانی نفس کی۔ قربانی مال کی۔ قربانی جسم وجان کی اور قربانی آسائش وآرام کی۔ بہرحال قربانی ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو موت کے بعد بھی زندگی عطا کر دیتا ہے۔ اور میاں بیوی کے درمیان یہ جذبہ تو گھر کو جنت الفردوس بنانے کے لئے تریاق کا کام کرتا ہے۔ وہ گھر بے شک مثالی اور قابلِ رشک ہو گا جس کی عمارت ہی قربانی کی بنیادوں پر استوار ہو گی۔ اور چونکہ بیوی گھر کی دہلیز ہے اور اگر میاں اس دہلیز کے اندر سکون پا لیتا ہے تو دنیا کی کوئی خوشی اس سے بڑھ کر وہ نہیں طلب کرتا۔ کیونکہ بیوی اُس کا لباس ہے۔ اُس کا وقار ہے۔ اور اُس کو صحیح معنوں میں پہچاننے والا وجود ہے اور اُس کی قرۃ العین ہے۔

بیٹی! ہر بچی قرۃ العین ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ عبادت گزار ہو۔ اور عبادت بھی بشاشت سے ادا کرنے والی ہو۔ کیونکہ عبادت ہر بُرائی کو جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔ اور اس سے خوفِ خُدا پیدا ہوتا ہے۔ اور خوفِ خُدا سے قربانی پیدا ہوتی ہے۔ جو عورت ایک دفعہ قربانی کرنا سیکھ جائے وہ بے تاب رہتی ہے کہ اُسے کوئی موقعہ میسّر آئے۔ اور وہ اپنے شوہر کے لئے قربانی دیکر سرخرو

ہو جائے ۔ کیونکہ شوہر کے لئے قربانی دینے میں وہ ایک لذّت محسوس کرتی ہے ۔ قربانی خواہ بندہ خدا کے لئے پیش کرے یا بیوی خاوند کے لئے یا ماں بچے کے لئے کرے ۔ بہرحال ایک لطیف جذبہ ہے جو پیار و شوق کا اظہار کرتا ہے اور یہ جذبہ گھٹتا کبھی نہیں بلکہ بڑھتا ہی جاتا ہے ۔ لیکن آگے بڑھنے کے لئے خود کو آگ میں جھونکنا پڑتا ہے ۔ حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ بالکل بجا فرماتے ہیں :۔

"اِس دنیا میں کوئی چیز بھی قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ۔ ماں جب تک اپنی جان کی قربانی پیش نہ کرے اُسے بچہ حاصل نہیں ہوتا ۔ دانہ جب تک خاک میں مل کر اپنی جان نہیں کھوتا وہ ایک سے سات سو دانوں میں تبدیل نہیں ہو سکتا ۔"

یہی محبت کی روح ہے ۔ کیونکہ محبت صرف دو طرح پیدا ہوتی ہے ۔"یا حُسن سے یا احسان سے" پس قربانی بھی دو طرح کی ہوتی ہے ۔ اوّل درجہ کی قربانی جسمانی قربانی ہوتی ہے ۔ جو بیوی اپنے شوہر کے لئے کرتی ہے اور دوئم درجہ کی قربانی مالی قربانی ہوتی ہے ۔ جو شوہر بیوی کی ضروریاتِ زندگی کو پُورا کرنے کے لئے ادا کرتا ہے ۔ لیکن کبھی بیوی دونوں درجوں کی قربانی دے کر شوہر کو جیت لیتی ہے اور حقیقی پیکرِ محبت بن جاتی ہے ۔ جیسے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ

بیٹی ! میں تمہیں آج حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ قربانی کے ایک بحرِ بیکراں سے ملاتی ہوں ۔ جنہوں نے اپنے شوہر فخرِ موجودات سرورِ کائنات کے حضور اپنا سکون ۔ آرام ۔ جان و مال سب کچھ پیش کر دیا ۔ اور تاحیات آپؐ کا سایہ بن کر زندہ رہیں ۔ اور آپ کو اس حد تک پہچان لیا کہ خود رسُولِ پاک بھی اپنے آپ کو اس وقت تک اتنا نہیں پہچان سکے تھے ۔ ساری عمر پرورش کرنے والے چچا نے بھی سوال کیا ۔ رشتہ داروں نے بھی پوچھا کہ کیا ماجرا ہے ۔ بچپن کے دوست نے بھی تصدیق

کی مگر پوچھ کر کہ کیا آپؐ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا ہے؟ مگر ایک خاموش سمندر کی طرح گہرا ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی تھی جنہوں نے آپؐ کو اتنا جان لیا کہ آپؐ اپنے آپ کو خود نہ جان سکے۔ غارِ حرا میں فرشتے کے نزول پر آپؐ خوفزدہ ہو گئے کہ اتنی بھاری ذمہ داری اور میں کمزور انسان کہیں پروردگار کا امتحان نہ ہو۔ لیکن ایک عورت کا عزم و حوصلہ دیکھیں کہ فرمایا "نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ آپ کو ضائع کرے"۔ اس وقت صنف نازک کسی تذبذب میں نہیں پڑیں۔ بلکہ فرمایا "آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ صادق القول ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ لوگوں کا بوجھ بٹاتے ہیں۔ اور حق کی باتوں میں لوگوں کے مددگار ہیں۔ لہٰذا خدا کی قسم خدا آپؐ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا" (بخاری کتاب بدء الوحی) وہ قطعی مطمئن تھیں کیونکہ وہ اپنے شوہر کے محامد کو جانتی تھیں۔ اور دل ہی دل میں خوش ہوا کرتیں تھیں کہ خدا نے کیسا بے نظیر انسان پیدا کیا ہے۔ جو ہزاروں لاکھوں میں ایک ہے۔ اس لئے خود ہراساں نہ ہوئیں۔ بلکہ اُسی وقت تسلّی و تشفی کا مجسمہ بن گئیں جس وقت آپ ڈرتے تھے۔ کہ اتنا بڑا عظیم کام میں کیسے سرانجام دُونگا؟ سُبحان اللہ! یہ تھیں نبی پاکؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک یہ تھیں عرب کی وہی امیر ترین تاجرہ جو پہلی نظر میں ہی بھانپ گئی تھیں کہ مجھے اپنی دولت اپنی جاگیر و جائیداد اپنے محبُوب خاوند کے قدموں پر نثار کر دینی چاہیئے۔ یہ دولت جو میری تھی نکاح کے دو بول کے بعد میری نہیں میرے شوہر کی ہے۔ غلام۔ مال۔ پیسہ روپیہ سب کچھ آپ کے سپرد کر دیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ غنی النفس انسانؐ غلام تو آزاد کر دیگا۔ اور روپیہ پیسہ غرباء میں تقسیم کر دے گا۔ پھر بھی بیوی نے اپنا تن من سب کچھ خاوند پر نثار کر دیا۔ ساری عمر اطاعت و فرمانبرداری میں گزاری۔ ہر درد کی کسک جو آپؐ کے دل میں تھی اپنے وجود میں محسوس کی اور آپؐ کو تنہا دکھوں میں پریشان ہونے

نہ دیا۔ جب اپنے ہی ہم وطنوں اور زیرنگین رشتہ داروں نے زمین تنگ کر دی۔ اور شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تو وفا کی پتلی نے تین سال بھوکے پیاسے گزارے۔ لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے محبوب شوہر کی دلجوئی میں کمی نہ کی۔ اُسے تو طبیعت کی کمزوری و بیماری نے لاغر کر دیا اور جب الم و رنج نے ہزاروں دنوں تک طول کھینچا تو آپؓ اپنے حقیقی خُدا سے جا ملیں اور مجازی خُدا کو خیرباد کہہ گئیں۔ دگرنہ وہ ستون تھیں اپنے محبوبؐ کے لئے اور دو جہان کے راہ نما کیلئے مشیر اعلیٰ تھیں۔ آپؓ کی وفات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ غمزدہ کیا۔ یہاں تک کہ اُس سال کا نام ہی آپؐ نے "عام الحزن" رکھ دیا۔ یہ محبّت و خلوص جو سرورِ کائنات کو آپؓ کی ذات سے تھی وہ متواتر اور مسلسل قربانیوں کے نتیجہ میں بھی تھی اور باہم موافقت و ہم آہنگی بھی اس کی وجہ تھی۔ آپؐ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی اُن کے نام و آواز کو سُن کر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جوان عمر بیویاں بھی عطا کی ہوئی تھیں۔ آپؐ انہیں یاد کرتے اور ان کی تعریف کرتے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی:۔

"وہ تو ایک بوڑھی تھیں۔ حق تعالیٰ نے آپؐ کو اُن کا نعم البدل عطا فرما دیا ہے"۔

یہ سُن کر آپؐ کو بہت رنج ہوُا۔ فرمایا:۔

"نہیں خُدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس کا نعم البدل عطا نہیں فرمایا۔ جب لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تو مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو انہوں نے مجھے سچا کہا۔ جب لوگوں نے مجھے معاش سے محروم کر دیا تھا تو انہوں نے اپنے مال سے میری مدد کی۔ خُدا نے مجھے ان سے اولاد عطا فرمائی جبکہ دوسری

بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم رکھا" [1]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ یہ سن کر میں نے دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی حضرت خدیجہؓ کا نام اس طرح نہیں لوں گی کہ حضورؐ کو تکلیف ہو۔

اس میں شک نہیں کہ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد کی دولت سے نوازا تو وہ حضرت خدیجہؓ کی ہی ذات تھی۔ اور سادات کی نسل بھی اللہ تعالےٰ نے حضرت خدیجہؓ کی ذات سے ہی چلائی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

---

[1]: ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۹۲
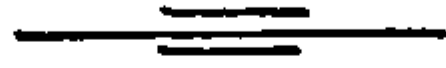
بابِ سوّم

حضرت عائشہ صدیقہؓ

ادراکِ قرآن مجید

بیٹی یہ تمہیں علم ہے کہ قرآن مجید کا حقیقی سرتبہ اہل اللہ پر ہی کھل سکتا ہے۔ اور اہل اللہ میں مرد و زن دونوں شامل ہیں۔ لیکن رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مُبارک سے لے کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بابرکت زمانے تک کئی مردِ عظیم مفسر اور قرآن دان پیدا ہوئے جنہوں نے قرآن کے حقائق و معارف مختلف انواع سے کھولے اور ایمان افروز تفاسیر کیں لیکن جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے وہ شاذ ہی اس میدان میں نظر آئیں لیکن آج میں تمہیں ایک ایسی قرۃ العین سے ملاتی ہوں جنہیں خدا تعالےٰ نے بصارت عطا کی۔ ادراکِ قرآن مجید سے نوازا اور باریک در باریک عرفان سے مالا مال فرمایا۔ وہ تھیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قرۃ العین تھیں۔ اور فخرِ موجودات نے خود ارشاد فرمایا۔ کہ "آدھا دین تم عائشہ سے سیکھو" گویا کہ جہاں آدھا دین خدا تعالیٰ کے فرستادہ نبیؐ کریمؐ کے بابرکت وجود سے ہمیں حاصل ہُوا وہاں باقی آدھا ایک عورت سے سیکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس طرح اس عورت کی عظمت و بصارت کی گواہی نور رسُول پاکؐ نے خود دے دی بیشک آپ ہماری فخر النساء ہیں اور اہل اللہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کے علاوہ علم احادیث پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ بعض حدیثوں کی آپ نے بہت لطیف تشریح کی ہے۔ اور آپ کے قلبِ صافی پر کلام اللہ اور کلامِ رسُولؐ

کا فہم بارش کی طرح نازل ہؤا۔ اور تم حیران ہوگی کہ ۱۴سو سال قبل ان کے دل پر یہ خطرہ منعکس ہؤا کہ امت دو لفظی جملہ "لا نبی بعدی" والی حدیث کے غلط استعمال سے بھٹک جائے گی۔ وہ آنے والے خطرات کو بھانپ گئیں اور ہؤا بھی ایسے ہی کہ موجودہ زمانے میں معترضین نے اس ایک حدیث "لا نبی بعدی" کو ایک حربہ بنا لیا۔ اور ٹھوکریں کھائیں۔

حضرت رسولِ خُدا کی ایک حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ "مَیں آخری ہُوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اب لوگوں نے مخالفت پر زور لگا دیا اور اس حدیث کو ہر جگہ پیش کیا کہ آپؐ نے خود ہی فرما دیا تھا کہ "لا نبی بعدی"۔ حالانکہ اس کے واضح معنے یہ ہیں کہ "انی آخر الانبیاء" کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا جو مجھ سے آزاد ہو کر اور میری شریعت منسوخ کر کے اور میرے دامن سے کٹ کر نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور اس معنی میں مَیں آخری نبی ہُوں۔ اور "لا نبی بعدی" فرمایا تو یہ منشاء تھا کہ میرے بعد میری طرح کا کوئی صاحب شریعت نبی یا مستقل نبی نہیں ہوگا۔ اور یہ تمام محققین نے بالاتفاق لکھا ہے۔ اور ایک آپ سا یہ مومنات تھیں کہ جنہوں نے اُسی وقت فرما دیا تھا۔ کہ

"قولوا انہٗ خاتم الانبیاء وَلَا تقولوا لا نبی بعدہٗ"۔[1]

یعنی! اے لوگو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ تو کہا کرو۔ کہ آپؐ خاتم الانبیاء تھے مگر یہ نہ کہا کرو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

کتنی لطیف بات بیان فرما دی۔ کیونکہ وہ خوفزدہ ہوئیں کہ کہیں جلد باز لوگوں کو غلطی نہ لگ جائے اور یہ گمان کر لیں کہ شاید نبوت کا دروازہ کلّی طور پر بند ہو چکا ہے۔ اس لئے وضاحت سے اُسی وقت امّت کے سامنے یہ عقدہ حل کر دیا کہ ایسا مت کہو کہ "لا نبی بعدہٗ" کیونکہ ظلّی اور امّتی نبی جو آپ کے نُور سے نُور

---

[1]: تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵ و درِّ منثور جلد ۵ ؛

پائے اور آپؐ کے فیض سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی نبوت آپؐ کی شریعت کے تابع اور آپؐ ہی کا حصّہ ہے۔

عزیز بیٹی! یہ تو تم جانتی ہو کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی قرۃ العین تھیں۔ شادی کے بعد اُن کو سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تقریباً سات آٹھ برس ہی میسّر آئی۔ مگر اس مختصر سی مدت میں وہ نورِ بصیرت انہیں نصیب ہوا کہ اُمت کی معلّمہ بن گئیں۔ وہ لکھی پڑھی ہُوئی نہیں تھیں لیکن خُدا کے محبُوبؐ کا پیار دل کو ایسا روشن کر گیا کہ سیّدالانبیاءؐ ان کے لئے یہ خوشخبری فرما گئے کہ نصف دین تم عائشہ سے سیکھو۔ احادیث کا وہ حصہ جو عورتوں سے متعلق ہے حضرت عائشہؓ کے اقوال و روایات پر ہی زیادہ تر مشتمل ہے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ ادب و طبّ پر بھی عبور حاصل تھا۔ طبّ آپؓ نے اُن لوگوں سے سیکھا جو کبھی کبھی ملک کے دوسرے حصّوں سے بارگاہِ رسالت میں آیا کرتے تھے۔ شعر کا اتنا اچھا ذوق تھا کہ سو سو اشعار کے قصیدے آپ کو زبانی یاد تھے۔ آپ اتنی بہادر تھیں کہ بعض غزوات میں بھی حصّہ لیا۔ سنجیدہ اور عبادت گزار۔ رحم دل اور فیاض بے حد تھیں۔ خیرات کا تو یہ عالم تھا کہ امیر معاویہ کے ایک لاکھ دیئے ہُوئے درہم انہوں نے شام ہوتے ہُوئے محتاجوں کو بانٹ دیئے۔

آپؓ رسول پاک محبوبِ خُداؐ کی محبوب تھیں لیکن اس محبوبیت کا کوئی اثر سرورِ کائنات کی خدمت پر نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ سب سے زیادہ انہیں آپؐ کا شرفِ خدمت حاصل تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنا عین سعادت اور فخر خیال کرتی تھیں۔ آٹا پیسنا۔ کھانا پکانا وضو کا پانی لا کر دینا۔ بستر بچھانا حتّٰی کہ آپؐ کے بال دھونا سب کام کر کے راحت و خوشی محسوس کرتی تھیں۔ رسُول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کمال طہارت کی وجہ سے مسواک

کو بار بار دھلوایا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کا انصرام حضرت عائشہ کے ذمہ تھا۔ اگر کوئی مہمان آجاتے تو مہمان نوازی میں امتیازی شان کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ نماز پنجگانہ۔ تہجد کے علاوہ چاشت کی نماز بھی ادا فرماتیں اور بشاشت سے عبادت کرنے والی اعتکاف میں بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتیں وہ ایک روشن فلسفہ دان تھیں۔ رسول پاکؐ کے اخلاق حسنہ کا نقشہ کس لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا۔ کہ

"تمہیں رسُول پاکؐ کے اخلاق معلوم کرنے کے لئے کسی تاریخ کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک راست باز مخلص انسان تھے جو کہتے تھے کرتے تھے۔ جو کرتے تھے کہتے تھے۔ ہم نے آپ کو دیکھا اور قرآنِ کریم کو سمجھ لیا۔ جو بعد میں آئے ہو قرآن کریم پڑھو۔ اور رسُول خُدا کو سمجھ لو"

وہ علم و فضل کی دلدادہ اور خوش بیان بھی تھیں۔ جوش تقریر میں وہ یکتا تھیں غرض تفسیر۔ حدیث۔ اسرار شریعت۔ خطابت۔ ادب و انساب میں ان کو کمال حاصل تھا۔ بس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل حق بات فرمادی کہ جب کسی صحابیؓ نے دریافت کیا کہ آپؐ کو لوگوں میں کون زیادہ محبُوب ہے۔ آپؐ نے فرمایا "عائشہؓ" بے شک وہ اسی بات کی مستحق تھیں کہ رحمۃً للعالمین سرور کائنات محمد مصطفےٰؐ کی محبوب بیوی کا مقام پا جائیں۔ اور دنیا و آخرت میں آپؐ کی زوجہ مبارکہؓ رہتیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ بہت خوبصورت تھیں لیکن حضورؐ کی محبت کی زیادہ تر وجہ آپ کی ذہانت۔ فہم و فراست اور علم و فضل میں وافر حصّہ پانا تھا۔ علم شریعت کی استعداد میں اس حد تک آپ میں تھیں کہ بقول محدثین اگر حضرت عائشہؓ نہ ہوتیں تو نصف علم حدیث ضائع ہو جاتا۔ آپ فصیح و بلیغ تھیں اور ان کی گفتگو بامحاورہ مگر

مختصر اور جامع ہوتی تھی۔ ان کے شاگرد موسیٰ بن طلحہؓ فرماتے تھے کہ حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح مَیں نے کسی کو کبھی نہیں دیکھا۔

خشیتِ الٰہی اور رقیق القلبی کی صفت سے وہ اس حد تک متصف تھیں کہ جنگِ جمل کے واقعہ کو یاد کر کے عموماً بہت رویا کرتی تھیں اور کہتی تھیں اے کاش مَیں پیدا نہ ہوتی۔ ایک دفعہ کسی بات پر قسم کھائی پھر لوگوں کے اصرار پر اُس کو توڑنا پڑا۔ حالانکہ بحکم قرآن مجید ایک غلام کو آزاد کرنے سے اس کا کفارہ ہو سکتا تھا لیکن آپ نے چالیس غلام آزاد کر دیئے لیکن اس پر بھی اتنا صدمہ تھا کہ جب بھی یہ واقعہ یاد آتا روتے روتے آنچل تر ہو جاتا۔

الغرض آپ کی زندگی سراپا زہد تھی۔ ساری ساری رات نماز تہجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہتیں۔ تقریباً حج بھی ہر سال کرنے جاتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر اٹھارہ انیس برس تھی۔ حضور تیرہ[۱۳] دن بستر علالت پر رہے۔ ان تیرہ دنوں میں آٹھ دن حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرمایا اور علالت کے پانچ دن دیگر ازواج مطہرات کے ہاں۔ اور جس شب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باری تھی اُسی شب جبکہ سرورِ دو عالمؐ کا وصال ہوا اور جب حضور کی رُوح مُبارک نے عالم قدس کی طرف پرواز کیا تھا اس وقت آپؐ کا سر مُبارک عائشہ صدیقہؓ کے سینے پر تھا۔

بیٹی! قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے جس میں خُدا نے اِس عظیم عورت کی برّیت فرما کر عورتوں کو عظمت عطا کی۔ اور طبقہ نسواں کے مدارج بلند کئے۔ دگرنہ وہ واقعہ اِفک جو منافقین کی طرف سے کھڑا کیا گیا تھا نہایت خطرناک عزائم لئے ہُوئے تھا۔ واقعہ اِفک میں صرف ایک پاک دامن اور غایت درجہ متقی اور پرہیزگار عورت کی عصمت پر ہی حملہ کرنا مقصود نہ تھا بلکہ زیادہ تر اُن کی غرض یہی

تھی کہ بانیٔ اسلام رسُولِ خُدا کی عزّت کو برباد کریں۔ اور سوسائٹی میں ایک خطرناک ہلچل پیدا کر دیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے پلید پراپیگنڈے سے الجھا کر ٹھوکر کا موجب بنائے۔ لیکن،

"جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے"

خدا تعالیٰ نے سورۃ نور میں آپ کی بریت فرمائی اور

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ [1]

فرما کر ہمیشہ ہمیش کے لئے بدکار منافقین کو ان کا اصلی روپ دکھا دیا۔

خُدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

"جن لوگوں نے افتراء باندھا وہ تم میں سے ایک جماعت ہے تم افتراء پردازی کو اپنے لئے شرمت خیال کرو بلکہ وہ تمہارے لئے خیر ہے۔ ان میں سے ہر شخص جو گناہ کا مرتکب ہوا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

مندرجہ بالا وہ جملے ہیں جو خداوند عالم نے ایسی عظیم المرتبت عورت کے لئے استعمال کئے۔ جس کے لئے ہر اپنے پرائے نے یہی عرض کی کہ یارسول اللہ ہم حضرت عائشہ رضؓ میں نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ گویا کسی نے بھی شک کی گنجائش ظاہر نہ کی۔

خُدا تعالیٰ کے محبوب رسُولؐ نے بھی اپنی پریشان و متفکر بیوی کیلئے یہی فرمایا:۔

"مجھے میرے اہل کے بارے میں بہت دُکھ دیا گیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ہے جو اس کا سدِّباب کر سکے۔ اور خُدا کی قسم مجھے تو میری بیوی کے متعلق سوائے خیر و نیکی کے اور کوئی علم نہیں۔ اور جس

---

[1] :۔ سورۃ نورؐ: ۱۲

شخص کے متعلق الزام لگاتے ہیں اس میں بھی خدا کی قسم میں نے ہمیشہ خیر دیکھی۔"

یہ تھے سرور کائنات رحمۃ للعالمین کے الفاظ جو آپؐ نے اپنی قرۃ العین کے لئے فرمائے۔ حضرت عائشہ خود فرماتی ہیں کہ میں خود اپنی نظروں میں سب سے زیادہ حقیر ہوگئی تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتی تھی کہ میرے بارے میں میرا خدا اپنے پیارے کلام سے نوازے گا جو مسجدوں میں تلاوت کیا جائے گا۔ نمازوں میں دہرایا جائے گا۔ البتہ یہ امید ضرور تھی کہ رسولِ خدا کوئی چیز خواب میں ضرور دیکھیں گے جس سے اللہ تعالیٰ میرے حق میں ان سب چیزوں کی تکذیب کر دے گا۔

بیٹی! یہ واقعہ میں نے تمہیں اس لئے بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ہمیشہ رحمت کا برتاؤ کرتا ہے اور ہماری ایک مقدس ہستی ایسی بھی تھی جس کو دشمنوں نے اپنے ناپاک عزائم سے دکھی کیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کے رسولؐ کی محبوب ترین بیوی ہیں اور آپ کا انتخاب بھی ایک رؤیا کے ذریعے سے ہوا تھا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے ایک ریشمی رومال پیش کیا۔ عرض کیا "یہ آپؐ کی زوجہ ہے دنیا و آخرت میں"۔ آپؐ نے رومال لے کر دیکھا تو اس پر حضرت عائشہؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تصویر تھی۔"

تو یہ بات باعثِ صد افتخار تھی کہ خدا تعالیٰ نے آپؐ کے لئے حضرت عائشہؓ کو دنیا و آخرت کا ساتھی تجویز فرمایا۔ اور بھی کئی امتیازات آپ کو حاصل تھے۔ لیکن سب سے بڑا امتیاز جو خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ یہ تھا کہ آپؐ کے لحاف میں حضور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ سے مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل ہوتا تھا جو کسی اور بیوی کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ کہ

"عائشہ رضؓ وہ بیوی ہے کہ جس کے لحاف میں مجھے وحیِ خدا نازل ہوتی ہے۔ اور کسی بیوی کے لحاف میں نازل نہیں ہوتی۔"

اور اسی طرح بیٹی! خدا کا احسان اُس قرۃ العین پر یہاں تک ہوا کہ انہیں کے حجرہ مبارک کو رحمۃٌ للعالمین حضرت محمدؐ مصطفےٰ کی آخری آرام گاہ کا شرف نصیب ہوا۔ فسبحان اللہ علیٰ ذالک ؏

بابِ چہارم

امین و رازداں

قرۃ العین خاوند کے مال۔ گھر بار اور راز کی امین ہوتی ہے وہ اُس کے راز کو بے کرنہ تو ماں باپ کے پاس جاتی ہے اور نہ دوستوں، رشتہ داروں سے کہتی پھرتی ہے۔ خاوند کا راز اُس کا اپنا راز ہوتا ہے۔ وہ بیوی جو خاوند کی غفلتوں اور کوتاہیوں کا ڈھنڈورا پیٹے گی خاوند کی نظر میں کبھی مرتبہ نہیں پائے گی۔ بلکہ اُس کے دل سے دُور ہوتی جائے گی۔ کیونکہ ہمیشہ وہ بیوی جو شکایت لگا کر دوسروں سے ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ سچی مونس و غمخوار نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس ہمدرد بیوی خاوند کو سرتا پا سمجھ جاتی ہے۔ اُس کی تمام کوشش یہی ہوتی ہے کہ خاوند کا وقار اُس کے میکے میں۔ سُسرال میں بلکہ اُسکے بچوں کے سامنے بلند تر رہے۔ وُہ اُس کی کمزوری پر پردہ پوشی کرتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ پردہ پوش ہے اور پردہ پوشی کو ہی پسند کرتا ہے۔ خاوند بیوی کی خطائیں معاف کرے یا بیوی خاوند کی کمزوری کو نظر انداز کرے دونوں طرح اعتماد کی دیواریں مضبوط ہوتی ہیں۔ لیکن اگر اعتماد کو ٹھوکر لگ جائے تو یہ رشتہ کچے دھاگے سے زیادہ کمزور ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں خون کا تعلق تو ہوتا ہی نہیں جو خون کے رشتے جوش ماریں اور کوتاہیاں نظر انداز کر دی جائیں۔ بیٹی! یہ رشتہ صرف ماں کا ہوتا ہے۔ جو اولاد کے لئے ایسا دل رکھتی ہے جو سمندر سے زیادہ گہرا اور آسمان سے زیادہ فراخ ہوتا ہے۔ وہ اولاد کی غلطیوں پر پردہ ڈال کر دعا کے لئے خُدا کے حضور جھکی رہتی ہے۔ اور اپنے بچے کے لئے رو رو کر عرش ہلا دیتی ہے۔ اولاد کے سوا باقی تمام رشتے اعتماد کی بناء پر قائم ہوتے ہیں۔ اگر ایک بار راز و امانت میں خیانت ہو جائے تو اعتماد ٹوٹ

جاتا ہے۔ زندگی ناخوشگوار ہو جاتی ہے۔ اور یونہی گزر بسر ہوتی رہتی ہے۔ میاں بیوی میں مفاہمت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کا وجود محض برداشت کرتے ہیں اور دونوں کا باہم تعلق بے نمک سا ہو جاتا ہے اور ایک گھر میں رہ کر بھی وہ الگ الگ رہتے ہیں جبکہ تیرنا ان دونوں میں کسی کو نہیں آتا۔ اس لئے وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی رہتے ہیں۔ لیکن اسلام نے قطعی اور سختی سے ایسی زندگی سے منع فرمایا ہے۔ جس میں ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت نہ کی جائے۔ اور ایک معلق زندگی گزار دی جائے۔ بلکہ سختی سے ہمدردی اور شفقت و محبّت کی زندگی کا درس دیا ہے۔

مَردوں کو نصیحت

بیٹی! عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہکر اسلام نے مَردوں کو بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنی عورتوں سے حد سے زیادہ محبت و رحم کا سلوک کریں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے مردوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ کہ

"اپنی بیویوں سے رفق اور نرمی کے ساتھ پیش آویں۔ وہ اُن کی کنیزیں نہیں ہیں۔

فرمایا:۔

درحقیقت نکاح مرد اور عورت کا باہم ایک معاہدہ ہے۔ بس کوشش کرو کہ اپنے معاہدہ میں دغاباز نہ ٹھہرو۔"[۱]

آپ نے مزید فرمایا کہ:۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی پیاری نصیحت فرمائی ہے۔ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ یعنی تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہے۔ سو روحانی اور جسمانی طور پر بیویوں سے نیکی کرو۔

[۱]: تعلیم خاتون (نصائح الرجال)، ص۲۹:

ان کے لئے دُعا کرتے رہو۔ اور طلاق سے پرہیز کرو۔ کیونکہ نہایت بد
خُدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے۔ جس
کو خُدا نے جوڑا ہے اُسے گندے برتن کی طرح مت توڑو۔" [1]

عورتوں کو نصیحت

سیدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ایک مقام پر عورتوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ سنو آپ فرماتے ہیں :۔

"عورتوں میں ایک خراب عادت یہ ہے۔ کہ وہ بات بات میں مردوں
کی نافرمانی کرتی ہیں۔ اور اُن کی اجازت کے بغیر ان کا مال خرچ کر دیتی
ہیں۔ ناراض ہونے کی حالت میں بہت کچھ بُرا بھلا کہہ دیتی ہیں ایسی
عورتیں اللہ اور اُس کے رسُولؐ کے نزدیک لعنتی ہیں۔ ان کا نماز اور
روزہ اور کوئی عمل منظور نہیں۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے۔ کہ کوئی عورت
نیک نہیں ہو سکتی جب تک خاوند کی پوری پوری فرمانبرداری نہ کرے۔
اور دلی محبت سے اُس کی تعظیم نہ بجا لائے۔ اور پسِ پشت اُس کے
لئے اُس کی خیر خواہ نہ ہو۔ اور رسُولِ خُدا نے فرمایا ہے کہ عورتوں پر لازم
ہے کہ مردوں کی تابعداری کریں۔ ورنہ اُس کا کوئی عمل منظور نہیں۔ اور
نیز فرمایا ہے۔ کہ اگر غیر خُدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو مَیں حکم کرتا کہ عورتیں اپنے
خاوندوں کو سجدہ کریں۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے حق میں بدزبانی کرتی
ہے۔ یا اہانت کی نظر سے اُسے دیکھتی ہے۔ اور حکم ربّانی سُن کر بھی باز
نہیں آتی تو وہ لعنتی ہے خُدا اور رسُول اُس سے ناراض ہیں۔" [2]

شخصی فوقیت

مرد کے فیصلے روزمرہ کی زندگی میں اکثر ٹھیک ہوتے ہیں۔ قرۃ العین اس نظریّہ کو ہمیشہ زندہ رکھتی ہے۔ اُس کو ترجیح کا درجہ
دیتی ہے۔ بچوں میں ایک حیثیت میاں کی پیدا کر دیتی ہے۔ جُداگانہ اور افضل حیثیت

---

[1]:۔ اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۸ حاشیہ ۔ [2]:۔ الحکم ۳۰ جون ۱۹۰۵ء ۔

جو شوہر کو ذہنی آسودگی عطا کرتی ہے۔ وہ بیوی کی کئی غلطیوں کو سادگی پر محمول کر کے
نقطہ چینی نہیں کرتا بلکہ عموماً نظر انداز کر دیتا ہے۔ کیونکہ دونوں میں رشتہ دوست
کے علاوہ برتری کا رشتہ بھی قائم ہوتا ہے۔ جو شوہر کے حرف آخر کو مانتا ہے اور
بیوی کے لئے ایک قدر و محبت کا جذبہ شوہر کے دل میں پیدا کر دیتا ہے! اور یہی
جذبہ بیوی کو ہر اپنے پرائے کی نظر میں وقعت عطا کرتا ہے۔ مگر آج کی بیوی
خود فیصلہ کرتی ہے۔ اور تمنا کرتی ہے کہ یہ فیصلہ خاوند پر بھی ٹھونسا جائے۔ یا تو
جھک جائے یا پھر ایک جنگ جاری ہوتی ہے۔ اور یہ سرد جنگ عرصہ تک
جاری رہتی ہے۔ ایک وقت ایسا آجاتا ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کو شکست
دینے کے مواقع تلاش کرتے ہیں اور بچے اس نوک جھونک سے لطف اندوز ہوتے
ہیں۔ اور سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ دونوں ایک دوسرے سے دُور ہو جائیں
گے اور نسل اپنی جگہ پراگندہ خیالات کی مالک ہو جائے گی۔ لہٰذا نسل کے صحتمند
ذہین ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قرۃ العین ضد نہ کرے۔ اور وہ ضد نہیں
کرتی۔ اور وہ اپنے خاوند سے کبھی ایسا سوال نہیں کرتی جو بیٹے سے کر سکتی
ہے۔ وہ بیٹے اور باپ کے درمیان ایک درجہ رکھتی ہے۔ مثلاً وہ بیٹے سے
پوچھتی ہے کہ تم کہاں گئے تھے؟ کیونکہ وہ جاننا چاہتی ہے کہ بیٹا کہاں تھا؟ لیکن
شوہر سے وہ کبھی بھولے سے بھی نہیں پوچھتی کہ آپ کہاں گئے تھے؟ بلکہ یہ پوچھتی
ہے" آپ جس کام کے لئے گئے تھے وہ ہو گیا کیا؟ خُدا کرے کہ ہو جائے۔ میاں
یا تو جواب دے گا یا خاموش رہے گا۔ مگر بیوی سے چڑے گا ہرگز نہیں۔ بلکہ
قرۃ العین کو اپنا ہمدرد خیال کرے گا۔

سیّدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ ابنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹی! حضرت فاطمۃ الزہرا ہم میں سے کسی کے لئے بھی اَن جانی شخصیت نہیں ہیں کیونکہ وہ ہمارے پیارے ہادی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ اور امام البشر حضرت رسولِ خداؐ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ اتنی محبت کہ آپؐ نے وفات کے وقت انہیں قریب بلا کر کان میں کچھ بات فرمائی۔ وہ رو پڑیں۔ پھر ہنس پڑیں۔ استفسار پر معلوم ہؤا کہ رسولؐ خدا سیّدہ کے پیارے باپ نے اپنی جدائی کی خبر دی ہے اس لئے میں رو پڑی ہوں۔ اور ساتھ یہ نوید بھی دی ہے۔ کہ میرے خاندان سے اور میرے اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے ملنے والی مَیں ہونگی اس لئے مَیں خوش ہو کر ہنس پڑی۔ کہ مَیں سب سے پہلے اپنے پیارے ابّا جان سے جا ملوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ کہ سرورِ کائناتؐ کی وفات کے چھ۶ ماہ بعد آپؓ بھی فوت ہو گئیں اور اپنے حبیب باپ کے پاس جا پہنچیں۔ لاریب حضرت فاطمہ بتولؓ کو اپنے محبوب باپ سے اس حد تک پیار تھا کہ آپؐ کی وفات کے بعد بہت غمگین رہا کرتی تھیں۔ اور بقیہ ایامِ حیات میں کسی نے سیّدہ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

۶۰۶ء ۱۸ قبل ہجرت میں خانہ کعبہ کی تعمیر جب دوسری بار ہو رہی تھی تو آپ اس وقت پیدا ہوئیں گویا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی۔ آپ کا نام فاطمہ اور کنیت اُمِ محمدؐ تھی۔ آپ کے القاب زہرا۔ طاہرہ۔ زاکیہ۔ راضیہ۔ مرضیہ اور بتول۔ سب حضورؐ کے عطا کردہ تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل

تھا کہ آپ کی طبیعت میں بچپن ہی سے سنجیدگی۔ سادگی اور متانت تھی۔ حضورؐ کو سادگی اور استغناء بہت پسند تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے آپؐ کی بیٹی کو انہیں صفات سے وافر طور پر متصف کیا ہوا تھا۔ اور اغلباً اسی وجہ سے آپؓ کو بتول کہا جاتا تھا۔ بتول کے معنے تارک الدنیا کے ہوتے ہیں۔ گویا آپ نے دنیا ایک لحاظ سے ترک کر دی ہوئی تھی۔ آپ کی سادگی اور متانت بہت نمایاں تھی۔ شاہِ کونینؐ کی شہزادیؓ کی شادی کا یہ عالم ہے کہ جس مردِ مجاہد سے عقد ہو رہا ہے اُس کے پاس مہر دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ آپؐ پوچھتے ہیں کہ کیوں علی! تمہارے پاس مہر کے لئے تو کچھ ہوگا؟ تو جواب یہی ملتا ہے کہ سوائے زرہ کے جو آپؐ نے عطا فرمائی تھی۔ میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا "تو وہ زرہ ہی بطورِ مہر اپنی بیوی کو دے دینا" گویا وہ زرہ جو جنگِ بدر کے موقع پر رسُولِ خُدا نے مرحمت فرمائی تھی۔ مہر کے کام آئی۔ اور یہی خاتونِ جنّت کا مہر تھا۔

مہر کے بعد ولیمہ کی تقریب پر خرچہ ضروری تھا۔ تو حضرت علیؓ نے شادی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے اپنا اُونٹ اور دیگر سامان فروخت کر ڈالا۔ جس کی قیمت انہیں چار سو اسی درہم ملی جو اخراجات میں کام آئی۔

بیٹی! تمہیں یہ سادگی اور کسمپرسی کی زندگی بتانے سے میرا مقصد یہ ہے کہ دُنیا میں سردارِ دو عالمؐ کی بیٹی کو رسم و رواج کی قید سے کس حد تک آزادی حاصل تھی لیکن آج کی بیٹی رسومات کی ہتھکڑیوں میں مقیّد ہے۔ آج لینے دینے کے علاوہ بچی کے شوہر کے انتخاب میں ہزار باریکیاں مدّنظر رکھی جاتی ہیں اور ہر جہت سے مختلف اشکال دے کر شادی کا مسئلہ پیچیدہ ترین بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ فخرِ دوجہاں نے نہایت سادگی سے اپنی بیٹی کو بیاہ دیا۔ سب سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہرؓا کا رشتہ طلب کرنے کی جسارت حضرت ابوبکرؓ نے کی تھی۔ پھر حضرت

عمرؓ نے بھی استدعا کی۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ حکمِ الٰہی کا انتظار ہے۔ پھر حضرت علیؓ کو لوگوں نے آمادہ کیا کہ وہ رشتہ کی درخواست کریں وہ بیچارے اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے تامل کرتے تھے۔ آخر صحابہؓ کے مجبور کرنے پر انہوں نے ہمت کی اور درخواست دربارِ رسالت میں پہنچا دی۔ جسے آنحضرت صلعم نے قبول فرما لیا۔ پھر آنحضرت صلعم نے حضرت فاطمہؓ سے ذکر کیا کہ حضرت علیؓ کا رجحان خاطر آپ کی طرف ہے۔ سیدہ اپنے والد کی زبان سے یہ بات سن کر خاموش رہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے سیدہ کی اس خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے ذوالحجہ ۲ سنہ ہجری کو عقد فرما دیا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"بیٹی فاطمہ! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کی ہے۔" [۱]

یوں تو رسولِ خدا کی اور بھی بیٹیاں تھیں مگر جو محبت سب سے چھوٹی بیٹی سے آپ کو تھی وہ ایک نرالا مقام رکھتی ہے اور دوسری طرف حضرت فاطمہؓ کو بھی اپنے باپؐ سے عشق کی حد تک پیار تھا۔ خدا کے محبوبؐ کی محبوب بیٹی کو یہ بھی شرف حاصل تھا کہ دنیا میں آپ کی اولاد باقی رہی اور ماشاء اللہ نرینہ اولاد سے نسلِ سیدہ چلی۔ اور آپ کی اولاد میں سے ہی ائمۃ العظام پیدا ہوئے۔ جن کی شان اسلام میں بہت بلند و ارفع ہے۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت امام حسنؓ۔ سید الشہداء حضرت امام حسینؓ۔ سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ زینبؓ پیدا ہوئیں۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے آٹھ شادیاں کیں لیکن آپ کی زندگی میں کوئی شادی دوسری نہیں کی۔ آپ کی وفات کے بعد اپنی رفاقت کے لئے دوسری شادیاں کیں۔[۲]

محنت و مشقت میں آپ کا مقام باقی امہات المومنین سے بلند تر ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ ایک جانفشاں لمحہ تھا۔ چکیاں پیستے پیستے آپ کے ہاتھوں میں

۱:۔ رسالت مآب ص۱۰۲ ؛ ۲:۔ حیاتِ رسالت مآب ص۱۰۳ ؛

گڑھے پڑ گئے۔ پانی بھرتے بھرتے آپ کی کمر دکھ گئی تو ایک دفعہ آپ اپنے پیارے آقا والدِ محترم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ:۔

"مجھے کوئی ملازم دلوا دیجئے تاکہ کچھ گھر کے کام میں معاونت ہو جائے"۔

تو سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین نے بیٹی کو ایک وہ نسخہ عطا کیا جو ساری دنیا کی عورتوں کے لئے باعث صد رحمت و برکت ثابت ہوا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔

کام کرتے وقت پڑھتی رہا کریں۔ نہ تو تھکان ہوگی نہ پریشانی۔ گویا دو چار ہاتھوں کو بڑھانے کی بجائے آپؐ نے ایک نسخہ عطا فرما کر ہمیشہ ہمیش کے لئے صبر و استقامت۔ ہمت و جانفشانی کی زندہ تصویر اپنی فاطمۃ الزہرؓا کی صورت میں ہمارے لئے مشعلِ راہ بنا دی ۔

جنّت کی عورتوں کی سردار گھر کا کام کرتے کرتے نڈھال ہو جاتی اور چکی پیستے پیستے ہاتھ جواب دے دیتے لیکن صرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ لاتی بلکہ ہر پہلو سے رضائے الٰہی کی متمنی رہتیں ۔

اور یہ رضائے الٰہی جس کی تلاش میں وہ ساری عمر صبر و تحمل سے گزارتی رہیں آخر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور ۳ رمضان ۱۱ سنہ ہجری کو اپنے محبوب والدؐ کے اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے آپؐ کو جا ملیں۔ وہ اسلام میں پہلی خاتون تھیں جن کی نعش پر پردہ ڈال دیا گیا۔ اور وہ وصیت کے مطابق رات کو جنت البقیع میں دفن کی گئیں [1]

---

[1] :۔ محمد رسول اللہ صفحہ ۳۵۱ ؎

باب پنجم

عبادت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ" [۱]

عبادت کی اصل رُوح نماز ہے۔ اور متقین کی تعریف بھی قرآن مجید میں یہی فرمائی گئی ہے کہ وہ ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو مال اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے خُدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ گویا مومن کا سب سے پہلا قدم نماز کو قائم کرنا ہے۔ اور یہی سورہ مومن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :۔

"وہ لوگ اپنی مراد کو پا گئے جو اپنی نماز میں عاجزی خشوع وخضوع سے دعائیں کرتے ہیں۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً پچاس مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور رسُولؐ خُدا نے اس کو بنائے اسلام اور آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے :۔

حبّب الیّ من دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ [۲]

"دنیا کی چیزوں میں سے میری فطرت کو جن چیزوں کا خمیر دیا گیا ہے وہ عورت اور خوشبو ہے۔ مگر میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔"

عزیز بیٹی! عبادت میں نماز کا درجہ تو اتنا بلند و بالا ہے کہ جنگوں میں بھی نماز

---

[۱]:۔ سورۃ المومنون ۱-۲ [۲]: نسائی و مسند احمد

سے معافی نہیں دی گئی ۔ ہاں صلوٰۃ الخوف پڑھ کر مجاہد کے لئے ایک آسانی پیدا کر دی مگر معافی نماز نہیں ہوئی ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نماز قابلِ صد رشک ہے جب آپؐ کو میدانِ اُحد میں سخت آزمائش پیدا ہوئی ۔ آپؐ زخمی تھے ۔ دندانِ مبارک شہید ہو چکے تھے ۔ رخساروں میں خود کے گھس جانے سے زخم آ چکے تھے ۔ خود بخود سواری سے اتر بھی نہ سکتے تھے ۔ لیکن نماز آپؐ نے ساری قوتیں جمع کر کے ادا فرمائی ۔ راوی بیان کرتا ہے کہ :-

"اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے تھے اور زخمی ہونے کے بعد سواری پر حضور اپنے دولت خانہ پر پہنچ گئے تھے مگر وہاں جا کر خود بخود گھوڑے سے نہ اتر سکے اس لئے لوگوں نے آپؐ کو اٹھا کر اتار لیا ۔ اور ابوالخدریؓ حضورؐ کے دونوں زانوں کو دیکھتا تھا کہ ان کی کھال چھیلی ہوئی تھی ۔ اور حضورؐ دونوں سعد (یعنی سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ) پر سہارا لگائے لگائے اپنے دولت خانہ پر تشریف لے گئے ۔ پھر شام کو جب غروب آفتاب ہوا اور حضرت بلالؓ نے اذان دی تو حضورؐ اسی طرح دونوں سعد پر سہارا لگائے لگائے باہر تشریف لائے اور پھر دوبارہ اسی طرح اندر تشریف لے گئے اور پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ مسجد میں بیٹھے آگ جلائے اپنے اپنے زخموں کو سینک رہے تھے اور داغ دے رہے تھے ۔ یہاں تک کہ شفق غائب ہو گئی تو حضرت بلالؓ نے عشاء کی اذان دی ۔ مگر دیر تک حضور سرور کائنات باہر تشریف نہ لائے اور حضرت بلالؓ آپؐ کے دروازے پر بیٹھے رہے ۔ جب ایک تہائی رات گزر چکی تو حضرت بلالؓ نے آواز دی کہ حضورؐ جماعت تیار ہے

نماز کے لئے تشریف لائیے۔ چنانچہ آپؐ اُس وقت سونے سے اُٹھ کر
باہر تشریف لائے تو مَیں نے دیکھا کہ آپؐ بہت آہستہ آہستہ قدم
اٹھاتے تھے۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی "۔ ؎۵

پس یہ نماز جو آپؐ نے سخت تکلیف اور نقاہت میں ادا فرمائی اور مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرمائی ثابت کرتی ہے کہ بیشک آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہی تھی۔ اور آپؐ عبادت کے بادشاہ تھے۔ اور عبادت ہی آپؐ کا علاج و معالجہ تھا اور اِسی کی ادائیگی کے بعد آپؐ کو چین آیا اور ٹھنڈک نصیب ہوئی۔

سو بچی پیاری! اگر قرۃ العین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک کو اپنا کر خود کسی کی آنکھ کی ٹھنڈک بن جائے تو سودا مہنگا نہیں ہے۔ کیونکہ "نماز عبادات میں گودے کی حیثیت رکھتی ہے" اور گودے کا حقیقی قدردان خدا اور اُس کے رسُول کا سچا عاشق ہوتا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:

"نماز کیا ہے۔ ایک دُعا جو درد۔ سوزش اور حرکت کیساتھ خدا تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہے۔ تاکہ یہ بَد خیالات اور بُرے ارادے دفع ہو جائیں اور پاک محبت اور پاک تعلق حاصل ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کے مطابق چلنا نصیب ہو۔ پیغمبر خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریق تھا کہ مشکلات کے وقت وضو کر کے نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے اور نماز میں دُعا کرتے تھے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ نماز سے زیادہ خُدا سے قریب کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ مشکل۔ دکھ یا مصیبت کے وقت وضو کر کے خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو جاوے اور دُعا

؎۵ :۔ شروع الحرب ترجمہ فتوح الحرب صفحہ ۳۳۲؎

کرے۔ وہ درحقیقت انسان کی آواز کو سنتا ہے۔ وہ حلیم اور علیم ہے اور کلیم ہے۔ کوئی اُس کے سوا یار و مددگار نہیں"

سو مخلص اور نیک بیوی بھی ہر مشکل اور کٹھن گھڑی میں وضو کر کے خدا کے دربار میں حاضر ہو جاتی ہے۔ اُس کے آستانہ پہ سر رکھ دیتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ وہ سجدہ سے سر اٹھائے خدا تعالیٰ اُس کی فریاد سن چکا ہوتا ہے۔ وہ دعاؤں میں الحاح و عاجزی سے بھیک مانگتی ہے کہ اے خدا! جو ساتھی میرے بزرگوں نے میرے لئے منتخب کیا ہے وہ میرا سچا رفیق ہو۔ وہ مجھے سمجھ سکے اور میں اپنے وقتِ واپسیں تک اُس کو خوش رکھ سکوں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

بیٹی! موجودہ زمانہ میں سچا مسلمان سب سے زیادہ خوش نصیب ہے کہ اُسے خدا تعالیٰ نے یہ خوشخبری دے رکھی ہے کہ

"اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ"۔ [1]

یعنی جب میرے بندے میرے متعلق دریافت کرتے ہیں تو انہیں بتا دے کہ میں پاس ہی ہوں۔ پکارنے والا مجھے جب بھی پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار کو سنتا اور قبول کرتا ہوں۔ یہ کس قدر جان فزا خوشخبری ہے کہ کوئی ہماری تکالیف اور مشکلات کو رفع کرنے والا بھی ہے۔ کوئی بات اُس کے لئے انہونی نہیں۔ بڑے بڑے خطرہ کے وقت بھی مومن تسلی رکھتا ہے کہ کوئی عظیم ہستی میرے ساتھ ہے۔ میری طرف متوجہ ہے۔ میں جب بھی جھکوں گا میری تکلیف کو وہ سکھ سے بدل دیگا۔ شرط صرف دعا و پکار ہے اور دعا کے لئے خدا تعالیٰ کا دربار ہر وقت کھلا رہتا ہے اور دعاؤں کے لئے اصل دربارِ خاص تو نماز کا دربار ہی ہے۔

نماز ہی سنوار کر ادا کرنا اور اس کے آداب کے مطابق بروقت اور باادب

[1] ۱۔ بقرہ : ۱۸۷

ہو جانا اور اپنی معروضات پیش کرتے رہنا اور اس راز و نیاز کے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر قرب الٰہی کے منازل طے کرنے کی کوشش کرنا اور اپنی التجا پیش کر دینا ہی نماز کہلاتی ہے ۔ مردوں کے لئے زیادہ تر باجماعت نماز کا حکم ہے جبکہ عورتیں گھر میں پڑھ سکتی ہیں ۔ یہاں یہ ذہن نشین کر لو کہ نماز باجماعت ادا کرنے سے عورت کو منع نہیں فرمایا بلکہ اس کی بعض مجبوریوں کے مدِّنظر اُسے سہولت عطا ہوئی ہے ۔ باقی باجماعت نماز اگر مرد کو روحانی مدارج عطا کرتی ہے اور ستّر گنا ثواب کا مستحق بناتی ہے تو عورت کے لئے بھی جزا و انعام عطا کرتی ہے ۔ مرد جتنا ضرور ہے کم کسی صورت میں نہیں ۔ ہاں باجماعت ادا کرنے کا کچھ سلیقہ ہے جو ملحوظِ خاطر رکھنا اشد ضروری ہے ۔

تمہیں تجربہ ہے کہ عورتیں خاص طور پر جمعہ اور عید کی نماز باجماعت ادا کرتی ہیں ۔ اب ایک سوال تمہارے ذہن میں پیدا ہوگا کہ نماز میں امام جب سورہ اعلیٰ کی تلاوت جہراً کر رہا ہوتا ہے تو مقتدی کیا دہراتے ہیں ۔

(۱) جواباً نوٹ کرو ۔ کہ جب امام سورہ اعلیٰ کے شروع میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى پڑھے تو مقتدی جواب میں بلند آواز میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہے ۔ یعنی پاک ہے میرا رب بلند شان والا ۔

(۲) سورۃ الغاشیہ کے اواخر میں اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ کے جواب میں مقتدی اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا کہے ۔ یعنی اے اللہ میرا حساب آسان طریقہ سے کر ۔

(۳) سورۃ التین کے آخر میں اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ کے جواب میں بَلٰى وَ اَنَا عَلٰى ذَالِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ کہے ۔ یعنی کیوں نہیں میں اس بات پر گواہوں میں سے ہوں ۔

قراۃ العین تہجد۔ نوافل اور صلوٰۃ التسبیح کا بھی اہتمام کرتی ہے وہ جانتی ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی کمی رہ گئی ہے تو نوافل سے پوری کرلوں۔ کیونکہ نوافل متمم فرائض ہوتے ہیں اور یہ حالتِ انقطاع تک انسان کو لے جاتے ہیں۔ اور خُدا سے محبّت کا ذریعہ یہی نوافل ہی ہوتے ہیں۔

بیٹی! مَیں تمہیں نماز اور نوافل کی مثالی ادائیگی کرنے اور عبادت سے سچّا عِشق رکھنے والی ایک عظیم ہستی کا پتہ دیتی ہُوں۔ وہ تھیں حضرت اماں جان جن کے متعلق جاننے کے لئے غور سے پڑھو۔ آپ جیسے نایاب وجود کے لئے تو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا محبوب نقطہ بیان فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ ۔ [1]

اپنی اولاد کی عزّت کرو اور ان کو اچھے آداب سکھاؤ۔

بیٹی! حضرت اماں جان سیّدہ نصرت جہاں بیگم نے رسولِ پاکؐ کے ارشاد کے مطابق اپنی پیاری اولاد کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا محبت و شفقت جو اپنی اولاد کے لئے ان کے دل میں تھی اُسے مدّنظر رکھتے ہُوئے آپ نے دعاؤں سے کام لیا اور مقدس ماحول میں پروان چڑھایا کہ ان میں سے ہر ایک عالی گہر اور نور یکسر ثابت ہُوا۔ آپ نے اولاد کی تکریم کی اور انہیں عزّت و عظمت کے اُس مقام تک لے گئیں جہاں وہ آسمانِ روحانیت پر مہر و مہتاب بن کر چمکنے لگے۔

---

[1] :۔ ابن ماجہ ؎

سیّدۃ النساء حضرت اماں جان نصرت جہاں بیگمؓ

چُن لیا تُو نے مجھے اپنے مسیحا کے لئے

بیٹی! حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور حضرت اماں جان سیّدہ نصرت جہاں بیگم سرورِ کائنات سے سچی محبّت کرنے والی تھیں اور خُدا کا قرب نماز میں پاتی تھیں اس لئے اُن کی ادائیگی نماز کا یہ عالم تھا کہ آپ کا ایک بچہ بشیر اوّل حالتِ نزع میں تھا اور آپ کا سر سجدہ میں تھا۔ آپ کا جگر گوشہ آخری سانس لے رہا تھا۔ اور فرشتہ اجل اُس کے سر پر کھڑا تھا۔ قضا آواز دے رہی تھی مگر ماں نماز قضا نہیں کرتی اور بچے کے پاس سے اُٹھ کر چلی جاتی ہیں۔ اور "رضا بالقضاء کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہیں آپ نے جب دیکھا کہ بچے کی حالت مایوس کن ہے تو فرمایا کہ میں اپنی نماز کیوں قضا کروں۔ چنانچہ آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور نماز کے بعد دریافت فرمایا بچے کا کیا حال ہے؟ تو بتایا گیا کہ بچہ فوت ہو گیا ہے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر خاموش ہو گئیں"۔

بیٹی! حضرت اماں جان جن کو خدا تعالیٰ نے خود ...... کے خطاب سے نوازا ہے ان کی نماز کی ادائیگی کا یہ عالم ہے۔ وہ تہجد گزار تھیں۔ اور اس عمل میں بہت مدامت سے کار فرما تھیں۔

آپ کا اصل نام نصرت تھا۔ اگرچہ بعد میں آپ کے والد بزرگوار میر ناصر نواب صاحب نے

بسبب ذہانت عائشہ تبدیل کر دیا تھا لیکن حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اصل نام نصرت جہاں
کے متعلق فرمایا کہ :۔

"اِس نام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خُدا کے تمام جہان کی
مدد کے لئے میرے خاندان کی بنیاد ڈالی"۔ [۱]

گو آپ خود اُمِ محمُود تحریر فرماتی تھیں ۔سیّدہ موصوفہ کی شادی بھی ایک الہام
کی بناء پر ہوئی تھی ۔ وگرنہ خاندانی روایات کے خلاف پنجاب کے ایک اجنبی خاندان
میں بیاہ مشکل امر تھا۔ یہ محض اور محض خدا تعالیٰ کی اس منشاء کے مطابق تھا جو
سترھویں صدی کے ایک بزرگ کو بذریعہ کشف خوشخبری دی گئی تھی ۔سیّد میر
محمّد ناصرؒ کو عالم بیداری میں حضرت حسنؓ نظر آئے اور فرمایا کہ نانا جان نے مجھے
خاص اس لئے تیرے پاس بھیجا ہے کہ تجھے معرفت اور ولایت سے مالا مال کروں
یہ ایک خاص نعمت تھی جو خانوادہ نبوت تیرے واسطے محفوظ رکھی گئی اس کی
ابتداء تجھ پر ہوئی اور انجام اس کا مہدی موعود علیہ السّلام پر ہو گا ۔ [۲]

اِس نبی سے برکات حاصل کرنے والی مبارک ہستی ۱۸ - ۱۹ برس میں
بیاہ کر آئیں ۔ آپ بہت منحنی سی تھیں ۔مگر نُورِ خُدا اس وقت بھی اس شان کا عطا
کردہ تھا کہ دیکھنے والے کو فرشتے کے نُور کا گمان ہوتا تھا ۔ اس پر سادگی کا یہ
عالم تھا کہ جب آپ بیاہ کر آئیں تو سفید لباس میں ملبوس تھیں ۔چونکہ پنجاب میں
عمومًا شوخ رنگ کے کپڑوں میں دلہن دیکھنے میں آتی ہیں ۔ اس لئے سفید لباس میں
دلہن دیکھ کر خادمہ نے بھی یہی کہا کہ " ایہہ کس طرح دی ووہٹی اے" یعنی اُسے
بھی ووہٹی کا گمان کم ہوا ۔ اور ایک فرشتہ نما صاف ستھرا نُورانی انسان نظر آیا ۔
پس اس سادگی کی زندہ تصویر نے ہر کام میں سادگی ہی مقدم جانی اور رسم و رواج سے
بیزاری کا اظہار کیا ۔ وہ مبارک نسل کی ماں تھیں ہر سانس ان کا خیر و برکت کی خبر دیتا

---

[۱] :۔ تذکرہ صفحہ ۳۶ ؛ [۲] :۔ سوانح فضلِ عمر صفحہ ۲۲ ؛

تھا۔ تضرعات کے سُننے والے خُدا نے حضرت اماں جان کو رحمت سے نوازا اور ایک چاند سا بیٹا عطا کیا جو فتح و ظفر کی کلید تھا۔ وہ مقدس ماں قابلِ صد آفرین ہے جس کی کوکھ نے موعود و جیہہ پاک وجود کو جنم دیا۔ وہ کلمۃ اللہ کو پانے والی عظیم ماں تھیں جن کی سب سے اوّلین فضیلت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے نور کو نور عطا کیا اور حضرت اقدس کے الہام کے مطابق :۔

"نور آتا ہے نور جس کو خُدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔ اور خُدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔" [1]

تو بیٹی ایسا وجود جس میں خدا تعالیٰ نے اپنی رُوح ڈالنے کا وعدہ فرمایا تھا جس کوکھ میں پرورش پائی اُس کے روحانی اور نورانی ہونیکا معاملہ تو حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے۔ سو الحمد للہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے حضور کا یہ منشاء حرف بحرف پُورا کر دیا :۔

"چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا اور اسی میں سے وہ شخص پیدا کرے گا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اس لئے اُس نے پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو اُن نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔ ...." [2]

پیدائش کے بعد کردار کی تشکیل میں جو دونوں والدین نے حصہ لیا وہ بھی قابلِ قدر

---

[1] ۔ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء آئینہ کمالات اسلام ؛ [2] ۔ تریاق القلوب صفحہ ۲۷۳

ہے۔ کیونکہ دونوں ہی مربیانہ اوصاف سے متصف تھے۔ مزید برآں دونوں کی تربیت کے دھارے ایک ہی سمت بہتے تھے۔ اور دونوں کے مزاج میں تضاد کی بجائے ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ آپ ہمیشہ اعلیٰ تربیت کے لئے ایک بہترین نقطہ پیش فرماتی تھیں۔ فرماتیں کہ "پہلے بچے کی تربیت پر اپنا پورا زور لگاؤ دوسرے اِن کا نمونہ دیکھ کر خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے"

آپ کے اندازِ تربیت کے متعلق حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں:۔

"بچے پر ہمیشہ اور بہت پختہ اعتبار ظاہر کر کے اُس کو والدین کے اعتبار کی شرم اور لاج ڈال دینا یہ آپ کا بڑا اصول تربیت تھا۔ جھوٹ سے نفرت اور غیرت و غنا آپ کا اوّل سبق ہوتا تھا۔ ہم لوگوں سے بھی آپ ہمیشہ یہی فرماتی رہیں۔ کہ بچے میں یہ عادت ڈالو کہ وہ کہنا مان لے پھر بے شک بچپن کی شرارت بھی آئے۔ تو کوئی ڈر نہیں۔ حضرت اماں جان ہمیشہ فرماتی تھیں کہ میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے اور یہی اعتبار تھا جو ہم کو جھوٹ سے بچاتا تھا بلکہ متنفر کرتا تھا۔ ......

جبکہ ذکر الٰہی ان کی روحانی غذا تھی اور قربِ الٰہی ان کا مدعا تھا۔ تو پھر حضرت سرور کائنات کی قرۃ العین کے لئے وہ کس طرح نہ تڑپ محسوس کرتیں۔ وہ اتنے انہماک اور لگن سے نماز ادا کرتیں کہ یہ ان کی روحانی غذا بن گئی۔ اور ادائیگی کا یہ عالم ہو گیا کہ آپ کا جگر گوشہ خدا تعالیٰ کے حضور آپ کا سلام لیکر حاضر ہوا جبکہ آپ اپنے محبوب خدا کے حضور سجدہ ریز تھیں۔

مالی قربانی کے لحاظ سے بھی آپ کو ایک مقام حاصل ہے۔ آپ ہر تحریک پر لبیک کہتیں اور بشاشت سے حصہ لیتی تھیں۔ الفضل کے اجراء کے وقت آپ فکر مند ہوئیں اور قابلِ قدر قربانی دی۔ حضرت المصلح الموعود اس قربانی سے متاثر

ہو کر فرماتے ہیں :۔

دوسری تحریک اللہ تعالیٰ نے ہماری اماں جان کے دل میں ڈالی۔ اور آپ نے اپنی ایک زمین جو تقریباً ایک ہزار روپیہ میں بکی الفضل کو دے دی۔ مائیں دنیا میں خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں مگر ہماری والدہ کو ایک خصوصیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ احسان صرف ان کے حصہ میں آیا ہے۔ اور احسان مندی ہمارے حصہ میں آئی ہے۔ دوسری ماؤں کے بچے بڑے ہو کر اُن کی خدمت کرتے ہیں۔ مگر ہمیں یا تو اس کی توفیق ہی نہ ملی کہ ان کی خدمت کر سکیں۔ یا شکر گزار دل ہی نہیں ملے۔ جو اُن کا شکریہ ادا کر سکیں بہرحال جو کچھ بھی ہو اب تک احسان کرنا انہی کے حصہ میں ہے۔ اور حسرت و ندامت ہمارے حصہ میں۔ وہ اب بھی ہمارے لئے تکلیف اٹھاتی ہیں۔ اور ہم اب بھی کئی طرح ان پر بار ہیں۔ دُنیا میں لوگ یا مال سے اپنے والدین کی خدمت کرتے ہیں یا پھر جسم سے خدمت کرتے ہیں۔ کم سے کم میرے پاس دونوں نہیں مال نہیں کہ خدمت کر سکوں یا شاید احساس نہیں کہ یہی قربانی دے سکوں۔ جسم ہے مگر کیسا جسم؟ صبح سے شام تک جس کو ایک نہ ختم ہونے والے کام میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ راتوں کو بھی۔ پس بارِ منت کے اٹھانے کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ مَیں جب سوچتا ہوں حسرت و ندامت کے آنسو بہاتا ہوں۔“ [1]

اسی طرح منارۃ المسیح کی برکات حاصل کرنے کے لئے ۱۹۰۰ء میں آپ نے کل خرچے کا دسواں حصہ ادا کر کے سابقون الاولین میں شمولیت فرمائی۔ اور یہ رقم آپ نے اپنی دہلی والی جائیداد فروخت کر کے ادا فرمائی۔

---

[1]:۔ الفضل ۴ جولائی ۱۹۲۴ء

"ایک دفعہ ۱۸۹۸ء میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو دینی ضروریات کے لئے کچھ رقم درکار تھی۔ تو سیدہ موصوفہ نے فرمایا:۔

"باہر سے قرضہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میرے پاس ایک ہزار نقد ہے اور کچھ زیورات ہیں وہ آپ لے لیں"۔

آپ نے فرمایا۔ مَیں بطور قرضہ لیتا ہُوں۔ اور اس کے عوض باغ رہن کر دیتا ہُوں۔ گو حضرت اماں جان اس رقم کو پیش کر رہی تھیں مگر حضور نے جماعت کو سبق دینے کے لئے کہ بیویوں کا مال ان کا اپنا مال ہوتا ہے۔ قرض کے طور پر لیا"۔

بیٹی! حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم پاکر بیعت لینی شروع کی تو شرائط بیعت میں ایک شرط یہ بھی قرار دی۔ (شرط ششم):۔

"یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا وہوس سے باز رہے گا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ و قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا"۔

چونکہ رسومات کی بیخ کُنی کرنے والی عظیم ہستی تصنع و بناوٹ سے قطعی متنفر تھیں۔ وہ سادگی و پاکیزگی کا ایک مجسمہ تھیں۔ اپنی بیٹی حضرت نواب مبارکہ بیگم کی شادی پر نہایت سادہ نمونہ سے وہی طریق اختیار کیا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شادی پر کیا گیا تھا۔ سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح حجۃ اللہ نواب محمد علی خانصاحب کے ساتھ ۱۷ر فروری ۱۹۰۸ء کو حضرت حکیم مولانا نورالدین نے پڑھا تھا اس کے بعد حضرت اقدس کا وصال ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو ہوگیا۔ اور رخصتانہ آپ کی وفات کے بعد ۱۴ر مارچ ۱۹۰۹ء کو ہُوا۔ اس موقع پر حضرت اماں جان نہایت سادگی سے دلہن کو ساتھ سسرال لے گئیں اور سپرد کر آئیں۔ حضرت نواب محمد علی خانصاحب حجۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ

"رخصتانہ نہایت سیدھی سادھی طرز سے ہُوا۔ مبارکہ بیگم صاحبہ کے آنے

سے پہلے مجھ کو حضرت اماں جان نے فہرست جہیز بھیج دی اور دو بجے
حضرت اماں جان خود لے کر مبارکہ بیگم صاحبہ کو میرے مکان پر ان
سیڑھیوں کے رستے سے جو میرے مکان اور حضرت اقدس کے مکان کو
ملحق کرتی تھیں۔تشریف لائیں۔مَیں چونکہ مسجد میں تھا اس لئے ان کو بہت
انتظار کرنا پڑا اور جب بعد نماز مَیں آیا تو مجھ کو بلا کر مبارکہ بیگم صاحبہ کو بایں
الفاظ نہایت بھری آواز سے کہا "مَیں اپنی یتیم بیٹی کو تمہارے سپرد کرتی ہوں"۔
اس کے بعد ان کا دل بھر آیا اور فوراً سلام علیک کر کے تشریف لے گئیں[1]"۔
سیّدہ موصوفہ شفیق ماں نے بیٹی کو رخصتانہ کے موقعہ پر بیش بہا نصائح کیں۔
اور فرمایا :۔

" اپنے شوہر سے پوشیدہ یا وہ کام جس کو ان سے چھپانے کی ضرورت سمجھو۔ہرگز
کبھی نہ کرنا۔شوہر نہ دیکھے مگر خدا دیکھتا ہے۔اور بات آخر ظاہر ہو کر عورت کی وقعت
کھو دیتی ہے۔اگر کوئی کام اُن کی مرضی کے خلاف سرزد ہو جائے تو ہرگز کبھی نہ چھپانا صاف
کہہ دینا۔کیونکہ اس میں عزت ہے اور چھپانے میں آخر بے عزتی اور بے وقری کا سامنا
ہے۔کبھی ان کے غصّہ کے وقت نہ بولنا۔....... اُن کے عزیزوں کو۔عزیزوں کی
اولاد کو اپنا جاننا۔کسی کی بُرائی تم نہ سوچنا۔خواہ تم سے کوئی بُرائی کرے تم دل میں بھی
سب کا بھلا ہی چاہنا اور عمل سے بھی بدی کا بدلہ نہ کرنا۔دیکھنا پھر ہمیشہ خدا تمہارا
بھلا ہی کرے گا"۔[2]

صبر و رضا کے لحاظ سے حضرت اماں جان کو ایک مثالی شان حاصل تھی۔صبر و
استقلال کی زندہ تصویر اپنے بیٹے کی وفات پر اس امر کو ترجیح دیتی ہیں کہ :۔

"مَیں اس بات پر خوش ہوں کہ خُدا کی بات پُوری ہوئی"۔

حضرت سیّدہ نے فرمایا۔مَیں خُدا کی تقدیر پر راضی ہوں۔اس پر بذریعہ الہام آپ کو

[1] :۔ اصحاب احمد جلد دوم   [2] :۔ الفضل ۲۵ اپریل ۱۹۵۲ء

بتایا گیا۔ خدا خوش ہو گیا۔ جب یہ الہام حضرت سیّدہ کو سنایا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"مجھے اس الہام سے اس قدر خوشی ہوئی کہ دو ہزار مُبارک احمد بھی مَر جاتا تو مَیں پرواہ نہ کرتی"

یہ اُس روحانی تعلق اور محبت کی ایک مثال ہے جو آپ کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ذات سے تھی۔ آپ نے مکمل ایمان کا مظاہرہ کیا اور حضرت اقدس کے الہام کی صداقت کے سامنے دو ہزار مبارک احمد بھی قربان کرنے میں تامّل نہ کیا۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا جب انتقال ہوا تو جنازہ قادیان لایا گیا۔ اور باغ کے بڑے کمرے میں رکھا گیا۔ پائنتی کی طرف کھڑی تھیں اور نہایت دردناک آواز میں فرمایا:۔

"تیرے سبب سے میرے گھر میں فرشتے اترتے تھے"[۱]

جہاں آپ کو اپنے محبوب شوہر اور موعود شخصیت کی ذات سے گرانقدر محبت تھی اور حضور بھی آپ سے بے حد پیار کرتے تھے۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں:۔

"...... خُدا کو حاضر و ناظر جان کر اس امر کی گواہی ہمیشہ دوں گی کہ وہ اس منصب کے قابل ہیں۔ خُدا نے میری والدہ پر فضل و احسان فرمایا۔ کہ ان کو اپنے مسیحا کے لئے چن لیا مگر انہوں نے بھی خُدا کی نصرت کے ساتھ دکھا دیا کہ وہ اس کے اہل ہیں۔ اور اس انعام اور احسان خداوندی کی بے قدری و ناشکری ان سے کبھی ظہور میں نہیں آئی۔ اور خُدا کا شکر ہے کہ یہ بارانِ رحمت بے جگہ نہیں برسا۔ بلکہ بار آور زمین اس سے فیضیاب ہُوئی ...... ایک بار مجھے یاد ہے کہ والدہ صاحبہ نے حضرت اقدس سے کہا "مَیں ہمیشہ دُعا کرتی ہُوں کہ خُدا مجھے آپ کا غم نہ دیکھلائے اور مجھے پہلے اٹھا لے۔ یہ سُن کر حضرت اقدس نے فرمایا۔ اور ہمیشہ مَیں یہ دُعا کرتا ہوں کہ تم میرے بعد زندہ رہو اور مَیں تم کو

[۱]:۔ سیرت جلد ۲ ؛

سلامت چھوڑ جاؤں ۔"

درد مندوں کی شاقی جانوروں پر شفقت و محبت کرنے میں بھی اپنا ایک مقام رکھتی تھیں ۔ قیدیوں تک کو کھانا کھلاتی اور یتامیٰ و مساکین کی خبر گیری میں کوتاہی نہ ہونے دیتی تھیں ۔ آپ کے پیارے بھائی حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے بہت جامع الفاظ میں آپ کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ۔ لہٰذا ان کے جملوں پر آپ کے اخلاق حسنہ کی تصویر ختم کرتی ہوں ۔ آپ نے فرمایا :-

"آپ (۱) بہت صدقہ کرنے والی ۔ (۲) ہر خیر میں شریک ہونے والی ۔ (۳) اوّل وقت اور پوری توجہ اور انہماک سے پنجوقتہ نماز ادا کرنے والی ۔ (۴) صحت اور قوت کے زمانہ میں تہجد کا التزام رکھتی تھیں ۔ (۵) خُدا کے خوف سے معمور ۔ (۶) صفائی پسند ۔ (۷) شاعر یا مذاق ۔ (۸) مخصوص زمانہ جہالت کی باتوں سے دُور ۔ (۹) گھر کی عمدہ منتظم ۔ (۱۰) اولاد پر از حد شفیق ۔ (۱۱) خاوند کی فرمانبردار ۔ (۱۲) کینہ نہ رکھنے والی ۔ (۱۳) عورتوں کا مشہور وصف ان کا تریا ہٹ ہے مگر مَیں نے حضرت ممدوحہ کو اس عیب سے ہمیشہ پاک اور بری دیکھا ۔"

باب ششم

انفاق فی سبیل اللہ

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ٥ (سورہ بقرہ : ۴)

بیٹی! اس آیت میں وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ اور مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ سے پتہ چلتا ہے کہ عبادت کی بنیادی شقیں دو ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اہم ہیں اور ان کی ترتیب میں بھی خدا تعالیٰ نے ایک حکمت رکھی ہے۔ پہلے یہ بتا دیا کہ اقامۃ الصلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرو اور پھر بعد میں خُدا کے مال میں سے خرچ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ جس میں یہ اشارہ ہے کہ

"خُدا تعالیٰ سے تعلق مخلوق سے تعلق پر مقدم ہے۔ کیونکہ بغیر اللہ تعالیٰ سے کامل تعلق کے مخلوق سے کامل محبت ہو ہی نہیں سکتی۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی انسان کو مخلوق کو پیدا کرنے والے سے محبت ہو جائے تو ایک وقت لازمًا آئے گا کہ اپنے محبوب کی پیدا کردہ چیزوں سے بھی وہ محبت کرے گا اور وہ محبت واجبی اور حقیقی ہوگی۔ کیونکہ خُدا تعالیٰ کو پاکر مخلوق سے محبت کرنا درست ہے لیکن مخلوق کو پاکر خُدا کو تلاش کرنا بے معنی ہے۔ لہٰذا نماز سے ہم خُدا کو پا لیتے ہیں۔ کیونکہ نماز قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ نزدیک آجائے تو اُس کی مخلوق سے محبت پیدا ہو جاتی ہے جس کو راسخ کرنے کے لئے ہم انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں یعنی جو خدا تعالیٰ ہمیں دیتا ہے۔ ان پر خرچ کرتے ہیں۔ بیشک وہ علم ہو، عزّت ہو۔ عقل ہو۔ مال ہو یا دولت ہو۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔

آیت کے اس حصّہ میں اللہ تعالیٰ نے معاشیات اور اقتصادیات پر روشنی ڈالتے ہُوئے مسلمانوں کو ابھارا ہے کہ ان کی مالی حالت اچھی ہونی چاہیئے ۔ اسلام مال کو برمحل خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ ایمان کا ایک حصّہ ہے اور انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت واضح کرتے ہُوئے فرماتا ہے کہ اس مالی قربانی کا بدلہ سات سو گنا ہے ۔
اور یہ مالی قربانی ہماری دوسری اہم عبادت ہے ۔ اس کی تشریح حضرت مصلح موعود [رض] یُوں فرماتے ہیں :۔

"اللہ تعالیٰ اس آیت میں صرف اس قدر فرماتا ہے کہ جو کچھ ہم نے تمہاری ضرورتوں کے مطابق دیا ہے اسے خرچ کرو ۔ یہ ضرورت کے مطابق ملنے والی چیز علم بھی ہو سکتا ہے ۔ عقل بھی ۔ جرأت بھی ۔ غیرت بھی ۔ وفا بھی ہاتھ پاؤں کی خدمت بھی ۔ آنکھ ناک کی خدمت بھی ۔ روپیہ پیسہ کی خدمت بھی ۔ غرض کوئی چیز جسکی نسبت کہا جاسکے کہ خدا تعالیٰ نے دی ہے اور کسی ضرورت کو پُورا کرنے کیلئے دی ہے اسکے خرچ کرنے کا حکم ہے اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ روپیہ تو دوسروں کو امداد کے طور پر دیتا ہو لیکن مثلاً کھانا نہ دیتا ہو ۔ یا کھانا دیتا ہو کپڑا نہ دیتا ہو ۔ یا کپڑا دیتا ہو مکان نہ دیتا ہو یا مکان تو دیتا ہو مگر اپنے ہاتھوں سے خدمت نہ کرتا ہو یا ہاتھوں سے خدمت تو کرتا ہو مگر اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ نہ پہنچاتا ہو تو وہ اس آیت پر پوری طرح عامل نہ سمجھا جائیگا ۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس آیت پر عامل نہیں جو غریبوں کو روپیہ دیتا ہے بلکہ وہ بھی عامل ہے جو لوگوں کو علم پڑھاتا

ہے اور وہ بھی عامل ہے جو مثلاً بیواؤں یتیموں کے کام کر دیتا ہے اور وہ سپاہی بھی عامل ہے جو میدانِ جنگ میں ملک کی خاطر جان دینے کی نیت سے جاتا ہے اور موجد بھی عامل ہے جو دن رات محنت سے دنیا کے فائدہ کیلئے کوئی ایجاد کرتا ہے۔" لہ

غرض ہر عطا شدہ طاقت کے خرچ کرنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے تعاون اور محبت کے قیام کے لئے ایسا انتظام کیا ہے تا باہمی ہمدردی اور تعاون سے محبت بڑھے اور تمدن ترقی کرے۔ مزید روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے عطا شدہ مال کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ۔ یعنی قومی ضرورت کے لئے خرچہ ہے جس کا حکم بہت اہم ہے اور لازمی ہے۔

۲۔ صدقہ و نذر و شکرانہ وغیرہ۔

بیٹی! صدقہ تو تمہیں علم ہے کہ ردِّ بلا ہوتا ہے اور عموماً مصیبت کے وقت یا مصیبتوں سے دُور رکھنے کے لئے اور خُدا کے فضل کو جذب کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

۳۔ نذر۔ یعنی کسی نیک عمل کا عہد کرتے ہیں اور حصول مقصد کے بعد عہد کو پُورا کرتے ہیں۔ اور یہ عہد خالص خُدا تعالیٰ اور اُس کے بندے کے درمیان ہوتا ہے قرۃ العین اس عہد کو جو وہ کسی نیک کام کے لئے خُدا کے حضور باندھتی ہے پُورا کرنے کی انتہائی کوشش کرتی ہے۔ لیکن حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:-

"اس طرح عہد کرنے سے کہ اگر فلاں مصیبت خدا تعالیٰ ٹلا دے تو اس قدر صدقہ کروں گی" یہ بہتر ہے کہ پہلے ہی صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ بجائے اس کے کہ خُدا سے سودا کرنے کی کوشش کرے"

۴۔ شکرانہ بھی ایک خرچہ ہے جسے اسلام نے پسند فرمایا ہے۔ قرۃ العین بھی خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ اُس نے اپنے فضلوں سے اولاد عطا کی اور کامیابی

لہ:- تفسیر سورہ بقرہ صفحہ ۱۲۱

سے ہمکنار کیا۔ کئی رُکے ہُوئے کام جب سنور جاتے ہیں تو وہ شکرانے کے طور پر اپنے مال میں سے معاونت میں حصّہ لیتی ہے۔ نادار مریضوں کو کچھ بھیجتی ہے اور جسمانی طور پر نوافل پڑھ کر بھی حتی المقدور جہاد کرتی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"شکرانہ ایک طبعی خرچ ہے اسے بھولنا نہیں چاہیئے اور ہر کامیابی پر خُداتعالیٰ کی راہ میں کچھ نہ کچھ خرچ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کامیابی پر الحمدللہ کہنے کا ایک عملی نمونہ ہے۔"

۵۔ پانچواں اور بہت اہم خرچہ قومی اور ملّی خرچہ ہے۔ یہ ایک قسم کا مالی جہاد ہے اور مال کا استعمال کسی شخص کی ذاتی ضروریات پُورا نہیں کرتا بلکہ یہ ایک قومی خدمت ہے اور انسان کو بہت بڑے ثواب کا مستحق بناتی ہے۔ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ یہ خرچہ خُداتعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جاتا ہے اور تقویٰ کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ وہ نیکی ہے جس کی جزاء اللہ تعالیٰ سات سَو گنا دیتا ہے۔ اِس نیکی کے بغیر کوئی شخص حکومت الٰہی کی لڑی میں پرویا نہیں جاسکتا۔ بیٹی چونکہ ہم خُدائی جماعت کے فرد ہیں۔ اس لئے جماعت کے کاموں میں ہاتھ بٹانا بھی ہماری نیکی ہے۔ یعنی جماعت کے لئے وقت اور مال کی قربانی دینے سے اللہ تعالیٰ خالقِ کُل ہمیں ضمانت دیتا ہے کہ ہم ہدایت یافتہ ہوں گے اور جنّت کے وارث ہوں گے۔ حضرت میرزا بشیر احمد صاحبؓ نے نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کو دو زبردست کھونٹے قرار دیا ہے۔ جن کے ساتھ بندھ کر ہر احمدی تمام قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اِس کی ایک تار خُدا سے ملتی ہے جو ایک نہ ٹوٹنے والا دائمی سہارا ہے اور اس کی دوسری تار جماعت سے ملتی ہے جو اُس کے لئے ایک آہنی قلعہ سے کم نہیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ :-

"یہ وہ تعویذ ہے جو تمہارے بچوں کی دائمی حفاظت کے لئے زمین و آسمان کا خدا پیش کرتا ہے۔ اسے شوق کے ہاتھوں سے قبول کرو کہ اس سے زیادہ پختہ اور اس سے زیادہ سستا سودا تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔ یہ تعویذ کیا ہے۔ نماز اور خدا کے رستہ میں خرچ کرنا" ؎۱

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ کی تابندہ و روشن مثال قرۃ العین حضرت امّ ناصرؓ کی پیش کرتی ہوں۔ جو زیادہ واضح طور پر تمہیں خدا سے ذاتی تعلق پیدا کرتے ہوئے۔ جماعتی کاموں میں حصہ لیتے ہوئے اور وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کی ہدایت کے تقاضے پورے کرتی ہوئی ملیں گی۔ انشاء اللہ ؛

؎۱ :- احمدی مائیں صد ۱۹ ؛
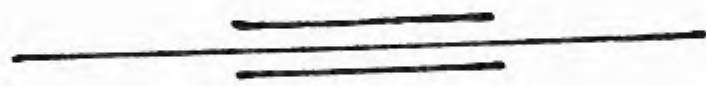
سیّدہ حضرت امّی جان اُمّ ناصرؓ

گوناگوں صفات کی مالک مصروفیات میں گھری ہُوئی عظیم ہستی امّ ناصرؓ ہیں جن کا اصل نام محمودہ بیگم تھا جنہیں خدا تعالیٰ کے فرستادہ سیّدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے خواتین مبارکہ کی صف میں خود اپنے دستِ مبارک سے شامل فرمادیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ایک عظیم جوہر شناس تھے جو مکارم الاخلاق رکھنے والی ہستیوں کو شناخت کر لیتے تھے۔ کیونکہ آپ کا ہاتھ خُدا کا ہاتھ تھا۔ اس لئے خُدا تعالیٰ نے ایسے سامان خود ہی پیدا کر دیئے۔ کہ ایک ذکی النفس ہستی کو آپ اپنی بہو بنا کر بیاہ لائے جس کی پاکیزگی نے قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثالث کو جنم دیا۔ یہ اتنی بڑی سعادت اُس خاندان کی بیٹی کو نصیب ہُوئی جس کے اسلاف قرآن کے سچے عاشق تھے متقی، پرہیزگار اور عالمِ دین تھے۔

ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب کی صاحبزادی بیاہ کر لانیوالے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ہمارے پیارے امام بھی قرآن سے والہانہ عشق رکھتے تھے اور عشاقِ قرآن میں شامل تھے۔ آپ کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ قرآن کریم کا خوبصورت اور خُدا نما چہرہ مشرقی اور مغربی دنیا پر پوری طرح آشکارا ہو جائے۔ جیسا کہ

صد بار رقص ہا کنم از خرمی اگر
بینم کہ حسن دلکش فرقاں نہاں نماند

یعنی مَیں خوشی کے مارے سینکڑوں دفعہ رقص کروں اگر یہ دیکھ لوں کہ قرآن کا دلکش حسن و جمال مخفی نہیں رہا۔"

چنانچہ آپ کی تضرعات کو خُدا نے سنا اور قرآن کے دلکش حسن وجمال کو آپ کی ہی ذریت حضرت مصلح الموعودؓ کے ہاتھوں عیاں کیا۔ اور خُدا تعالیٰ نے رازدانِ قرآن کو حافظِ قرآن کی بیٹی اور قرآن سے سچی محبت کرنے والی ساتھی عطا کی۔ خدا تعالیٰ کا حضرت اقدس سے یہ وعدہ تھا کہ اِنَّا نبشرك بغلام نافلۃً لك۔ کہ ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ جو تیرا پوتا ہوگا۔ سو یہ الہام خدا تعالیٰ نے حضرت امّ ناصر کے مبارک وجود سے پُورا فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی مشیت و علم غیب کو کون جانے کہ کیا حکمتیں اس میں پنہاں ہیں۔ خدا تعالےٰ نے منکسر المزاج محمودہ بیگم کو نہ صرف امّ ذوالقرنین بنایا بلکہ اور بہت سے الہامات کی مصداق ٹھہرایا۔ یہ آپ کی ہی گود تھی جہاں سے محبت کا بہتا ہوا چشمہ رواں ہوا۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ کا سا مہربان وحلیم بیٹا عطا کیا۔ اور آپ کی تربیت نے اس فخرِ زمین کو حافظِ قرآن بنا دیا۔ الحمد للہ۔

بیٹی! حضرت رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ:۔

حتی تطلع الشمس مِن مغربہا

حضرت اقدس نے اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے کہ:۔

"طلوع شمس کا جو مغرب کی طرف سے ہوگا۔ ہم اس پہ بہرحال ایمان لاتے ہیں۔ لیکن اس عاجز پہ جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا۔ وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنے رکھتا ہے۔ کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں۔ آفتاب صداقت سے منور کیے جائیں گے۔ اور ان کو اسلام سے حصّہ ملے گا۔ اور آپ نے یہ فرمایا کہ سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا۔ اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ ملے گا۔"

پس حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تشریح بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ ارضِ مغرب میں غلبہ اسلام ضرور بضرور ہو گا۔ اب وقت کے تعین کی طرف نظر کی جائے تو ذوالقرنین کے تینوں سفر جو یورپی ممالک کی طرف کیے گئے ہیں اس کی بیّن شہادت ہیں۔ یہ سفر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی اس پیشگوئی کے مصداق تھے کہ "مَیں تو ایک تخم ریزی کے لئے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اب وہ بڑھے گا۔ اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اُس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین)

گویا بڑھنے اور پھولنے کا کام آپ کے خلفاء کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے اور وہ اسلام کی فتح کا نقارہ مغربی ممالک میں بجا کر دم لیں گے۔ انشاءاللہ

اسی طرح بیٹی! حضرت بانیٔ سلسلہ احمدؑ کا ایک الہام تھا۔ جو خواتین مبارکہ کے متعلق وعدہ تھا:۔

"تیرا گھر برکت سے بھرے گا۔ مَیں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہو گی۔ اور مَیں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دونگا۔"

پس اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی مشیّت خاص نے جس مقدس وجود کو باہر سے آنے والی نسل میں سب سے پہلے چُنا کہ وہ اس الہام کی رُو سے خواتین مبارکہ کے زمرہ میں شامل ہو کر ذرّیت طیّبہ کا ایک حصہ بنیں وہ سیّدہ اُمّ ناصر کا وجود گرامی تھا۔ اور اس وجود کی برکت سے جو برکتیں پیدا ہوئیں وہ اَن گنت اور بے شمار تھیں۔ قربانی آپ کا زیور تھی۔ قربانی دے کر آپ کو ذہنی سکون ملتا تھا۔ آپ کچھ دیکر اتنی خوشی محسوس کرتی تھیں گویا کہ آپ نے کچھ پا لیا ہے۔ قربانی کے جذبہ نے ذاتی مطاع یعنی زیورات تک بیچنے پر آپ کو تیار کر دیا۔ اور آپ نے زیورات بیچ کر نامساعد حالات میں حضرت المصلح الموعودؓ کے ہاتھ مضبوط کئے۔ حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ

خود فرماتے ہیں کہ :۔

"مجھے اُس وقت ساٹھ روپے ملتے تھے جن میں سے دس روپے ماہوار تو تشحیذ پر خرچ کرتا تھا۔ دو بچے تھے۔ بیوی تھی اور گو کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی مگر خاندانی طور طریق کے مطابق ایک کھانا پکانے والی اور ایک خادمہ بچوں کے رکھنے اور اُوپر کے کام میں مدد دینے کے لئے میری بیوی نے رکھی ہوئی تھی۔ سفر اور بیماری وغیرہ کے اخراجات بھی اسی میں سے تھے۔ پھر مجھے کتابوں کا شوق تھا۔ چنانچہ اس گزارہ سے اپنی علمی ترقی کے لئے کتابیں خریدتا رہتا تھا۔ اور کافی ذخیرہ میں نے جمع کر لیا تھا۔"[1]

"مَیں بے مال و زر تھا۔ جان حاضر تھی۔ مگر جو چیز میرے پاس نہ تھی وہ کہاں سے لاتا۔ اس وقت سلسلہ کو ایک اخبار کی ضرورت تھی جو احمدیوں کے دلوں کو گرمائے۔ ان کی سُستی کو جھاڑے۔ ان کی محبت کو ابھارے۔ ان کی ہمتوں کو بلند کرے۔ یہ اخبار ثریا کے پاس ایک بلند مقام پر بیٹھا تھا اس کی خواہش میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے ثریا کی خواہش۔ نہ وہ ممکن تھی نہ یہ۔ آخر دل کی بے تابی رنگ لائی۔ اُمید بر آنے کی صورت ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے میری بیوی کے دل میں اسی طرح تحریک کی جس طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تحریک کی تھی۔ انہوں نے اس امر کو جانتے ہوئے کہ اخبار میں روپیہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے کنویں میں پھینک دینا اور خصوصاً اس اخبار میں جس کا جاری کرنے والا محمودؔ ہو جو اُس زمانہ میں سب سے زیادہ مذموم تھا۔ اپنے دو زیور مجھے دے دیئے۔ کہ مَیں ان کو فروخت کر کے اخبار جاری کر دوں۔ اُن میں سے ایک تو ان کے اپنے کڑے تھے۔ اور دوسرے

[1] :۔ الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء ص ۴

اُن کے بچپن کے کپڑے تھے۔ جو انہوں نے اپنی اور میری لڑکی عزیزہ
ناصرہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ کے استعمال کے لئے رکھے ہُوئے تھے"۔ ۱؎

بیٹی اُوپر جو نقشہ حسن و احسان میں نبی اللہ کے نظیر نے اپنی بیوی کی قربانی کا کھینچا ہے۔ تمہیں اس سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ثریا کی بلندیوں پر رہنے والا اخبار "الفضل" ایک عورت کی قربانی سے جماعت کی نسلوں پر کس قدر احسان کر رہا ہے۔ آپ نے عورت کی اس خوبصورت قربانی کا مزید ذکر فرمایا جس نے الفضل کو ابتدائی سرمایہ مہیا کیا۔ فرمایا:۔

"اس حسن سلوک نے نہ صرف مجھے ہاتھ دیئے جن سے مَیں خدمت دین کرنے کے قابل ہؤا۔ اور میرے لئے زندگی کا ایک نیا ورق الٹ دیا۔ بلکہ ساری جماعت کی زندگی کے لئے ایک بڑا سبب پیدا کر دیا۔ اور کیا ہی سچی بات ہے کہ عورت ایک خاموش کارکن ہوتی ہے۔ اُس کی مثال اس گلاب کے پھُول کی سی ہے جس سے عطر تیار کیا جاتا ہے۔ لوگ اس دوکان کو تو یاد رکھتے ہیں جہاں سے عطر خریدتے ہیں۔ مگر اس گلاب کا کسی کو خیال نہیں آتا جس نے مر کر ان کی خوشی کا سامان پیدا کیا۔ مَیں حیران ہوتا ہُوں کہ اگر خدا تعالیٰ یہ سامان پیدا نہ کرتا۔ تو مَیں کیا کرتا۔ میرے لئے خدمت کا کونسا دروازہ کھولا جاتا۔ اور جماعت میں روزمرہ بڑھنے والا فتنہ کس طرح دُور کیا جاتا۔ ۲؎

حضرت سیدہ اُمّ ناصرؓ کے اس احسانِ عظیم کے بعد ہم عورتوں کی تنظیم لجنہ اماء اللہ پر احسانات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بے شک آپ عورتوں کی اصلاح میں سیرتِ کبریٰ کی آئینہ دار تھیں۔ آپ وہ خوش نصیب تھیں جن کو حضرت اقدس کی تربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ گو دنیاوی لحاظ سے آپ نے کسی مدرسہ سے تعلیم حاصل نہ

۱؎:۔ سوانح فضلِ عمر حصہ اوّل صفحہ ۲۴۰

۲؎:۔ ماہنامہ مصباح دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۳۶

کی تھی۔ لیکن حضرت مصلح الموعودؓ کی صحبتِ طیّبہ اور تعلیم کے اثر سے سیّدہ مرحومہ کا وجود دینی تعلیم اور سلسلہ سے اخلاص میں ایک قابلِ تقلید نمونہ تھا۔ حضرت مصلح الموعودؓ نے فرمایا تھا کہ :۔

" اگر ۵۰ فی صد عورتوں کی اصلاح ہو تو جماعت ترقی کرے گی "

اسلئے ۱۹۲۲ء ۲۵ دسمبر سے آپ نے لجنہ اماء اللہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی پہلی سیکرٹری محترمہ سیّدہ امۃ الحیٔ صاحبہ تھیں۔ اور صدارت کے منصب کی پیشکش حضرت سیّدہ اماں جان کے حضور کی گئیں۔ جو آپ نے ازراہِ شفقت قبول کیا۔ لیکن پہلے ہی اجلاس میں آپ نے حضرت امّ ناصر کو اپنی جگہ بٹھا کر لجنہ کا صدر بنا دیا۔ اس طرح لجنہ اماء اللہ کی تنظیم کی صدارت ۳۲ سال تک آپ کے پاس رہی اور آپ لجنہ اماء اللہ کی یومِ تاسیس سے لے کر تا دفات اسی عہدہ پر فائز رہیں۔ اور علم دینی اور جماعتی خدمات بجالاتی رہیں۔ لوائے احمدیت کے لئے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر آپ نے آئندہ آنے والی نئی نسلوں کے لئے ایک نئی مثال قائم فرمادی۔

" غرض آپ نے اپنے جذبۂ قربانی و ایثار۔ اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ حمیدہ سے یہ ثابت کر دکھایا کہ واقعی آپ ہی اس قابل تھیں کہ مشیّتِ الٰہی کے نزدیک الہام " خواتین مُبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا "

کی رُو سے آپ نئی نسل میں باہر سے آنے والی خواتین مبارکہ میں اولیّت کے امتیازی شرف کی اہل قرار پائیں اور قرۃ العین ثابت ہوئیں ؎

باب ہفتم

سُسرال کی تعظیم

بیٹی یہ مسئلہ سب سے نازک لیکن اہم ترین ہے میں اس پر کچھ لکھنے سے پہلے اپنے آقا نکتہ داں اور راہنمائی میں مثیلِ رسُول خُدا کی طرف متوجہ کرتی ہوں کہ آپ اس نقطہ میں کیا فرماتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے مستورات کو ایک تاکیدی نصیحت فرمائی ہے۔ اور یہ نصیحت خصوصی طور پر بہو صاحبہ کے لئے ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"یہ مرض عورتوں میں بہت کثرت سے ہوا کرتا ہے کہ وہ ذرا سی بات سے بگڑ کر اپنے خاوند کو بہت کچھ بُرا بھلا کہتی ہیں۔ بلکہ اپنی ساس اور سُسر کو بھی سخت الفاظ سے یاد کرتی ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے خاوند کے بہت ہی قابلِ عزّت بزرگ ہیں۔ وہ اس کو ایک معمولی سی بات سمجھ لیتی ہے۔ اور ان سے لڑائی وہ ایسی ہی سمجھتی ہیں جیسا کہ محلہ کی اور عورتوں سے جھگڑا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے اِن لوگوں کی خدمت اور رضا جوئی ایک بہت بڑا فرض مقرر کیا ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ اگر والدین کسی لڑکے کو مجبور کریں تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ پس جبکہ ایک عورت کی ساس اور سُسر کے کہنے پر اس کو طلاق مل سکتی ہے تو اور کونسی بات رہ گئی ہے اس لئے عورت کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنے خاوند اور اُس کے والدین کی خدمت میں لگی رہے۔ اور دیکھو عورت جو کہ اپنے

خاوند کی خدمت کرتی ہے۔ تو اُس کا کچھ بدلہ بھی پاتی ہے۔ اگر وہ اس کی خدمت کرتی ہے تو وہ اس کی پرورش کرتا ہے۔ مگر والدین تو اپنے بچہ سے کچھ نہیں لیتے۔ وہ تو اُس کے پیدا ہونے سے لے کر اُس کی جوانی تک خبرگیری کرتے ہیں۔ اور بلا کسی اجر کے اُس کی خدمت کرتے ہیں۔ اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو اُس کا بیاہ کرتے ہیں اور آئندہ بہبودی کیلئے تجاویز سوچتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور جب وہ کسی کام پر لگتا ہے اور اپنا بوجھ آپ اٹھانے اور آئندہ زمانہ کے لئے کسی کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو کسی خیال سے اُس کی بیوی اس کو اپنے ماں باپ سے جُدا کرنا چاہتی ہے۔ یا کسی ذرا سی بات پر سب وشتم پر اتر آتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا ناپسندیدہ فعل ہے جس کو خُدا اور مخلوق دونوں ناپسند کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے انسان پر دو ذمہ داریاں مقرر کی ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور ایک حقوق العباد۔ پھر اس کے دو حصے کئے ہیں۔ اوّل تو ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور پھر دوسری مخلوق الٰہی کی بہبودی کا خیال۔ اور اسی طرح ایک عورت پر اپنے ماں باپ اور خاوند اور ساس سسر کی خدمت اور اطاعت۔ پس کیا بدقسمت ہے وہ جو ان کی خدمت نہ کر کے حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی بجا آوری سے منہ موڑتی ہے حقوق اللہ مَیں نے اس لئے کہا ہے کہ وہ اس طرح خدا تعالیٰ کے حکم کو بھی ٹالتی ہے۔"[1]

حضور کے ارشادات کے بعد مَیں یہ کہنے کی جسارت کروں گی کہ بہو صاحبہ کی تمام تر ذمہ داریوں میں اگر قربانی اور صبر شامل ہو جائے تو معاملہ بہت حد تک قابل برداشت رہے کیونکہ صبر عورت کا زیور ہے۔ اور بہو رانی عورت ہی ہے جسے یہ جان لینا چاہیئے

---

[1] ۔ الحکم مارچ ۱۹۰۸ء

کہ سسرال کی اختلافی رنجشیں اگر صبر و خاموشی سے برداشت کرلی جائیں تو ایک نہ ایک دن اس کا اعلیٰ اجر ملے گا۔ انشاء اللہ۔ کیونکہ معمولی بخار بھی گناہوں کو پاک کر دیتا ہے۔ اور خاوند کے والدین اگر اختلاف کی دیوار بھی کھڑی کر دیتے ہیں تو بھی قابلِ احترام وجود ہیں۔ اس لئے کہ وہ اُس کے مجازی خُدا کے قابل تعظیم ماں باپ ہیں۔ اور وہ اس گھر کے مکین ہیں جہاں وہ بیاہ کر لائی گئی ہے۔ اگر صرف یہ سوچ لے کہ یہ خاندان اب میرا ہے۔ مَیں اس کی دہلیز ہوں۔ اس گھر کی روایات میرا زیور ہیں تو اختلافی سوچیں بہت حد تک روشن رُخ اختیار کر سکتی ہیں۔ ماں باپ کے لئے تو خُدا تعالیٰ نے اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ فرما کر اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو بھی جوڑ دیا۔ یہ بتایا کہ جہاں مَیں رحمان ہوں وہاں والدین بھی اس صفتِ رحمانیت سے متصف ہیں۔ وہ بھی کسی عمل کی پاداش میں بچے کو سامانِ راحت میسر نہیں کرتے بلکہ اپنے بچے کی ایک طلب پر ماں صفا و مروہ کی پہاڑیوں کو روندھتی پھرتی ہے۔ تاکہ اُس کے بچے کی پیاس بُجھ جائے گو وہ بشر ہے۔ لیکن صفتِ رحمان میں خدا تعالیٰ کی مظہر ہے۔ اس لئے جو لوگ ماں باپ کے مشکور نہیں وہ خُدا کے بھی مشکور نہیں ہو سکتے۔ اور اس کے برعکس وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے مظہرِ رحمانیت دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ بعض اوقات لوگوں کی خدمت و محبت میں خود کو بھی بھول جاتے ہیں تو اُس کا اجر خدا تعالیٰ یکتا و لاثانی اور بن مانگے انہیں دیتا ہے۔ اویس قرنی کی مثال ہمارے سامنے درخشندہ ہے جس نے والدہ کی فرمانبرداری اور خدمت میں ساری عمر گزار دی۔ اور نہ حج کے فرض کی ادائیگی کی اور نہ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے نکلے۔ حضرت امام وقت نے اویس قرنی کی خوش بختی کا نقشہ کچھ یُوں کھینچا ہے۔ اور جماعت کو نصیحت فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"یہی حالت انسان کی نیک بختی کی ہے۔ کہ والدہ کی عزّت کرے۔
اویس قرنی کے لئے بسا اوقات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمن کی طرف
مُنہ کرکے کہا کرتے تھے کہ مجھے یمن کی طرف سے خُدا کی خوشبو آتی ہے
آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی والدہ کی فرمانبرداری میں بہت
رہتا تھا۔ اور اس وجہ سے میرے پاس بھی نہیں آسکتا تھا۔ بظاہر
یہ بات ایسی ہے کہ پیغمبر رسُولِ خُدا موجود ہیں لیکن وہ اُن کی زیارت
نہیں کرسکتے۔ صرف اپنی والدہ کی خدمتگذاری اور فرمانبرداری میں
پوری مصروفیّت کی وجہ سے۔ مگر مَیں دیکھتا ہُوں کہ رسُولِ خُدا صلّی اللہ
علیہ وسلّم نے دو ہی آدمیوں کو السلام علیکم کی وصیّت فرمائی یا اویس قرنی
یا مسیح کو۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ جو دوسرے لوگوں کو خصوصیّت
کے ساتھ نہیں ملی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ اُن سے ملنے کو
گئے تو فرمایا۔ والدہ کی خدمت میں مصروف رہتا ہوں۔ اور میرے
اونٹوں کو فرشتے چرایا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ جنہوں نے والدہ
کی خدمت میں اس قدر سعی کی۔ اور پھر یہ قبولیّت اور عزّت پائی۔ ایک
وہ ہیں کہ جو پیسہ پیسہ کے لئے مقدمات کرتے ہیں۔ اور والدہ کا نام
اس بُری طرح لیتے ہیں۔ کہ رذیل قومیں چوہڑے چمار بھی کم لیتے ہیں۔ ہماری
تعلیم کیا ہے صرف اللہ اور اُس کے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک
ہدایت کا بتلا دینا ہے۔ اگر کوئی میرے ساتھ تعلق ظاہر کرکے ماننا نہیں
چاہتا تو وہ ہماری جماعت میں کیوں داخل ہوتا ہے؟ ایسے نمونہ سے
دوسروں کو ٹھوکر لگتی ہے وہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے لوگ ہیں جو ماں
باپ تک کی عزّت نہیں کرتے۔ مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہُوں کہ مادر پدر

آزاد کبھی خیر و برکت کا مُنہ نہیں دیکھیں گے۔ پس نیک بختی کے ساتھ
اور پوری اطاعت و فرمانبرداری کے رنگ میں خُدا کے رسُول کے
فرمودہ پر عمل کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ بہتری اسی میں ہے۔ ورنہ اختیار
ہے۔ ہمارا کام صرف نصیحت کرنا ہے۔“ [۱]

تو بیٹی! سسرال یعنی میاں کے والدین یا اپنے والدین کی خدمت و فرمانبرداری
نیک بختی کی علامت فرمائی گئی ہے۔ یہ نیک بختی حاصل کرنے اور محبت جیتنے کے
لئے قرۃ العین سُسرال میں کئی تلخیاں برداشت کرتی ہے۔ گرم سرد باتوں کا صبر سے
مقابلہ کرتی ہے۔ وہ ماں، بہن کی شکایات کرکے اُسے دُکھی نہیں کرتی۔ مبادا اُس کی
عمر کم ہو جائے۔ وہ جان لیتی ہے کہ سُسرال کا ماحول میرے گھر سے قطعی مختلف ہے۔
مجھے اس ماحول میں اپنے آپ کو ڈھالنا ہے۔ سُسرال کو اپنے ایسا نہیں بنانا بلکہ
سسرال سا مجھے خود بننا ہے۔ بیٹی! بہو ایک بیل ہوتی ہے جو ایک زمین سے نکال
کر دوسری زمین میں لگا دی جاتی۔ اگر تو بیل مضبوط اور صحتمند ہوگی۔ تو دوسری زمین کی
طاقت اپنے اندر جذب کرکے منڈھے چڑھ جائے گی اور پھل پھُول لائے گی۔ وگرنہ
زمین کا مزاج قبول نہ کرنے کی صورت میں نتیجہ بیل کے حق میں ہی خطرناک ہوگا۔

مرد کی دنیا گھر سے باہر ہوتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی اس دنیا میں اُسے ایک
ممتاز مقام ملے اور انفرادیت حاصل ہو۔ اس اظہارِ امتیاز کے لئے وہ بظاہر عمدہ
لباس کا سہارا لیتا ہے۔ اور اگر زیادہ امیر ہو تو گاڑی۔ موٹر۔ اسکوٹر وغیرہ کا سہارا
لیتا ہے۔ بہر حال اُسے یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوستوں، عزیزوں میں
اچاگر شخصیت کا مالک ضرور نظر آئے۔ لہٰذا قرۃ العین اُس کی صفائی ستھرائی کا دھیان
بہت رکھتی ہے۔ گھر کے اخراجات کو مدّنظر رکھ کر شوہر کے لباس کے بجٹ کو نمایاں
اہمیت دیتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تقویٰ کا لباس بہترین لباس ہے لیکن ظاہری

---

[۱]:۔ ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۹۵-۲۹۶

لباس میں سادگی ڈھنگ کی تراش خراش کو وہ مدِنظر رکھتی ہے۔ کیونکہ دفاتر میں مجالس میں اور احباب کے حلقہ میں شوہر کو ممتاز کرنے میں وہ نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ اور یہ بات بھی وہ ذہن نشین رکھتی ہے کہ اچھے کھانے کھانا مرد کی عادت ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہی چاہتا ہے کہ اچھے ڈِشز ملتے رہیں۔ اور قرۃ العین بھی جانتی ہے کہ شوہر کے دل میں اترنے کا راستہ معدہ میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ اور وہ یقین رکھتی ہے کہ آج کا پکوان میرے شوہر کے لئے بہت خوشی کا موجب ہوگا۔ وہ معمولی خرچ سے نِت نئے ڈِش تیار کرتی ہے۔ وہ کھانا ضائع نہیں کرتی بلکہ بچے ہوئے آلو کے سالن کو کبھی روٹی میں ڈالتی ہے اور کبھی کباب کی شکل دے کر تیار کر لیتی ہے اور کبھی ٹوسٹ پر لگا کر تل لیتی ہے تاکہ شام کی چائے میں خرچہ بچ جائے۔ یہ اُس کے ہُنر کا کمال ہے کہ خرچ بچا کر اچھے پکوان پکا لیتی ہے۔ وہ سگھڑ کے ساتھ ساتھ کفایت شعار بھی ہے۔ اور تحریکِ جدید کے احکام کے مطابق اپنے بجٹ کو جیب سے بڑھنے کبھی نہیں دیتی۔ جبکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ بچوں کی ماں اخراجات کو ایسی شکل دیتی ہے کہ بچے اور ماں ہی کے اخراجات اولیت حاصل کر جاتے ہیں اور شوہر کی ضروریات ماہ بماہ ٹلتی رہتی ہیں۔ اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بیوی سارا دن کام کرتی ہے۔ بچوں کو سنبھالتی ہے۔ کپڑے دھوتی ہے۔ سلائی کڑھائی کرتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ سارا گھر دھو ڈالتی ہے۔ مگر ½۱۱ بجے دوپہر بستر پر لیٹ جاتی ہے کیونکہ وہ تھک چکی ہوتی ہے۔ اور تھک جانا لازمی امر بھی ہے۔ آخر کونسا کام باقی رہ گیا ہے جو اُس کی کمزور جان نے سرانجام نہیں دیا۔ لیکن ایک اہم کام کرنے سے پہلے ہی وہ تھک گئی جس کام پر دوبارہ بھاگنے دوڑنے کا دارومدار تھا۔ اور وہ تھا کھانا پکانا۔ لیکن اُس نے اس کام کو معمولی خیال کیا۔ اور روٹیاں بازار سے منگوائیں اچار اور دال سے کھالیں۔ اور دل سے وعدہ کیا کہ شام کو ضرور خود کھانا پکاؤں گی جس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ شوہر جب کاروبار سے واپس آیا تو گھر کی صفائی ستھرائی کے احساس نے اُسے گوناگوں خوشی دی مگر پیٹ نے تنور کی روٹی اور اچار پر اکتفاء نہ کیا۔ شوہر کی طبیعت یہیں سے اُداس ہو گئی۔ اور اگر دوبارہ یہی حادثہ پیش آیا تو سوائے رنجش اور جھگڑے کے کوئی صورت نہ ہوگی۔ لیکن وہ قرۃ العین ہمیشہ کھانے کا پہلے انتظام کرتی ہے۔ اور کام کو تقسیم کرکے لائحہ عمل تیار کرتی ہے اور پکانے کے وقت کی اہمیت کو مدنظر رکھتی ہے۔ تاکہ خاوند کو اس کی ذمہ داری میں کہیں بھی جھول نظر نہ آئے۔

بیٹی! کھانا پینا بیشک بھوت کی طرح سوار نہیں ہونا چاہیئے مگر تحریکِ جدید کی حدود میں رہ کر تازہ۔ گرم اور صحتمند کھانا توانائی کے لیئے ضروری ہے۔ خوشذائقہ طیّب کھانا کھلا کر وہ اپنی محنت کا صلہ نہیں مانگتی بلکہ اس کا نصب العین ہی خاوند کی خوشی تھا۔ جو اُسے حاصل ہو گیا۔ ایک وقت آتا ہے کہ وہ اعتماد میں لے کر شوہر کی دفتری اور کاروباری گتھیاں سلجھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ دن جب دونوں بیٹھ کر باہم معاملات طے کرتے ہیں فتح کا دن ہوتا ہے۔ کیونکہ مرد کے ذاتی معاملات میں معاونت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ میاں نے اپنی بیوی کو صاحبِ فراست ضرور مان لیا ہے۔

جذبہ طلب وعطا

بیٹی! میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ قربانی باہم اختلافات کو کم کرتی ہے اور یہ جذبہ طلب وعطا ایک نفیس جذبہ ہے جو قربانی سے ہی پروان چڑھتا ہے۔ اور قرۃ العین شوہر کی جیب کے مطابق تحائف کی اُمید کرتی ہے اور شوق رکھتی ہے کہ کبھی کبھی عید فطر و بقرعید پر شوہر اُس کے لیئے خاص تحفہ بازار سے لائے۔ کمال تو یہ ہے کہ شوہر کے معیار و پسند پر بھی اظہارِ فخر کرتی ہے۔ اپنی پسند کو بلائے طاق رکھ کر شوہر کی پسند کو ترجیح دیتی ہے۔ کیونکہ

وہ شوہر کی دہلیز پر قربانی کا جذبہ لے کر ہی آئی تھی۔ اور وہ اس جذبۂ قربانی کو زندہ رکھ کر زندہ رہے گی۔ اور یہ زندگی بے حد خوشگوار ہوگی۔ کیونکہ وہ رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھلے گی۔ اور یہ عمل ناممکن ہرگز نہیں بلکہ مشکل ضرور ہے۔ اور مشکل پر قابو پانا ہی حقیقی قربانی ہے۔ یہیں سے جذبۂ طلب و عطا شروع ہو جاتا ہے اور اگر شوہر عطا کے اسلوب پر کاربند رہے تو کونسی دولت ہے جو وہ بیوی بچوں کے لئے پیدا نہیں کرتا۔ ذاتی گھر ہونا عورت کی سب سے بڑی خواہش ہے اور یہ خواہش کمزوری کی حد تک اُس کے اُوپر غالب ہے اور عموماً عباد الرحمٰن اس خواہش کو عملی جامہ پہنا دیتے ہیں۔ اور بعدہٗ وہ مقام آجاتا ہے کہ قرۃ العین اور اُس کا شوہر دو نہیں ایک ہو جاتے ہیں۔ یہ عطا کا جذبہ مرد کی فوقیت کا اصل اظہار کرتا ہے۔ لیکن عطا کے بعد مرد متمنی ضرور ہوتا ہے کہ عورت اس کی کمائی کا اُس سے حساب نہ لے۔ کیونکہ حساب لینا مرد کے لئے ایک طعنہ ہے۔ اور وہ یہ برداشت نہیں کرتا کہ بیوی اُس کی جیب اور اُس کے ہاتھ کے متعلق کچھ جان سکے جو جیب میں گیا تھا۔ قرۃ العین یہاں اعتماد کو ٹھیس نہیں آنے دیتی۔ بلکہ اُس کی خوشی میں خوش رہ کر اتباع کی روح کو زندہ رکھتی ہے ؎

حضرت سیّدہ نواب مُبارکہ بیگم صاحبہؓ

بیٹی! میرے پاس ذخیرہ الفاظ ایسا تو نہیں ہے کہ مَیں عُلیا حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے اخلاقِ حسنہ کی تصویر کشی لفظوں میں کر سکوں۔ تاہم مَیں کوشش کرتی ہوں کہ موعودہ دختر کی زندگی کے چند اہم پہلو اس حد تک اجاگر کر دوں کہ تمہیں بخوبی اندازہ ہو جائے کہ وہ بیشک قرۃ العین تھیں اور ان کی زندگی دورِ حاضرہ کے لئے مثال ہی نہیں ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی راستے کا روشن مینار ہیں۔

نواب مبارکہ بیگم صاحبہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی سینتیسویں[۳۷] پیشگوئی کی صداقت کا زندہ و تابندہ ثبوت تھیں۔ آپ کی پیشگوئی یوں تھی:-

"تُنَشَّاُ فِی الْحِلْیَۃِ"

یعنی زیور میں نشو و نما پائے گی۔ نہ خوردسالی میں وفات پائے گی اور نہ تنگی دیکھے گی۔ چنانچہ اس کے بعد لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مبارکہ رکھا گیا۔ اور پیدائش کے جب سات روز گزرے تو عین عقیقہ کے دن یہ خبر آئی کہ پنڈت لیکھرام پیشگوئی کے مطابق مارا گیا ہے۔ تب ایک ہی وقت میں دو نشان پُورے ہوئے[۱]

۱۹۰۱ء میں حضور کو الہام ہوا تھا کہ "نواب مبارکہ بیگم"۔

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی موعودہ بیٹی نے بموجب الہام زیورات میں ہی پرورش پائی نہ صرف ظاہری اور دنیوی سونے چاندی ہیرے کے زیورات میسر آئے بلکہ روحانی اور اخلاقی زیورات سے بھی مبارک وجود مزیّن رہا۔

۱:- حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۷

بیٹی! جس کو خدا تعالیٰ خالقِ کُل کے ہاں سے ہی حسین خطاب مل جائے اُس

کے لئے یہی کہہ دینا کافی ہے ؎

لقب عزّت کا پاوے وہ مقرر

یہی روز ازل سے ہے مقدر

سو بموجب لقب اللہ تعالیٰ نے آپ کو طبقہ نسواں کے لئے ہی جھومر بنا دیا۔ آپ علم کے زیور سے۔ حُسنِ اخلاق کے زیور سے۔ اطاعتِ مصطفےٰ صلعم کے زیور سے۔ خوشنودی و اطاعتِ شوہر کے زیور سے۔ عشق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور عبادت و دعا کے زیور سے آراستہ رہتی تھیں۔ اگر ان کے زیورات کا الگ الگ ذکر کرکے تمہیں بتاؤں تو شاید تمہیں سمجھنے میں سہولت رہے۔

زیورِ دُعا و عبادت

خُدا اور اُس کے رسُول محمّد مصطفےٰ کی سچی عاشقِ زار تھیں۔ اور یہ ایک ایسا زیور تھا کہ وہ اسی سے بچپن ہی سے مزین ہوگئی تھیں۔ "وہ چار سال کی عمر میں تہجد پڑھا کرتی تھیں"۔ ؎[1]

بلا ناغہ عشاء کی نماز کے بعد قرآن مجید کی تلاوت فرماتی تھیں۔ مغرب کی اذان سے لے کر عشاء کی اذان ہُوئے بھی کافی دیر ہوجاتی تھی مگر آپ کی نماز ختم نہیں ہوتی تھی۔ جب باہر آتی تھیں تو اتنی کمزور ہوتی تھیں کہ ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہوتی تھیں۔ فرماتی تھیں "کہ میں نے سجدے مخصوص کئے ہُوئے ہیں اور اس میں ایک سجدہ اُس حصّہ جماعت کے لئے مخصوص تھا جس نے کبھی آپ کو دُعا کے لئے لکھا بھی نہیں تھا۔ مگر آپ کی ہمدردی و محبت کہ اُن کو کبھی بھولتی نہ تھیں۔ اللہ اللہ کیسی محبت و عقیدت تھی کہ درخواست کرنے والوں کے لئے تو دُعا کی ہی جاتی ہے لیکن جو درخواست نہیں کرتے ان کے لئے بھی سجدے مخصوص کرنا بے شک ولیوں کا کام ہے۔

"اس کی شب زندہ داری کی برکات سے کتنے غمگین دلوں کو سکون

---

[1]: ۔ مصباح دسمبر ۱۹۷۷ء و جنوری ۱۹۷۸ء

مل گیا۔ وہ مبشر بھی تھی وہ مبارک بھی تھی۔ عمر بھر اُس کا فیضان جاری رہا"۔

علم کا زیور

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پیشگوئی "تنشاء فی الحلیۃ" کے مطابق ہر خاص و عام آنکھ نے انہیں زیور میں نشو ونما پاتے دیکھا زیورِ علم سے آراستہ وجود کس کی نگاہ سے اوجھل تھا۔ کون ایسا انسان تھا جس نے انہیں ذہانت کے اعلیٰ ترین مقام پر نہ دیکھا ہو۔ وہ ذکر حبیب کرتیں تو ایسے لگتا کہ تصویر کھینچی ہوئی ہمارے سامنے ٹیلی کاسٹ ہو رہی ہے۔ یا ہم خود اس زمانے میں جا بیٹھے ہیں۔ ایسا زبردست قوتِ حافظہ کہ دس سال کی عمر میں اقوال کو سُنا افعال کو بنظرِ غائر دیکھا ان پر عمل کیا اور جماعت کو مستفید فرمایا۔ حقیقت میں وہ روایات کا ایک سمندر تھیں۔

زیورِ اطاعتِ شوہر

شوہر کی اطاعت و محبّت میں وہ ایک لاثانی مقام رکھتی تھیں۔ وہ چھوٹی سی عمر میں بیاہ کر حجۃ اللہ کے گھر کو منور کرنے گئی تھیں کیونکہ وہ خود ایک نور تھیں۔ نشو ونما میں زیور ایک نشان تھا۔ اور وہ ایک طبیب روحانی کی دختر تھیں۔ شوہر کے حقوق میں۔ محبت و عزّت میں اور فرائض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ ان کے ہر حکم اور خواہش کا احترام کیا۔ شوہر کی پہلی اولاد سے اتنی محبت و شفقت کا سلوک کیا حالانکہ وہ تمام سوائے ایک بیٹے کے عمر میں آپ سے بڑے تھے۔ لیکن وہ مقام ان کے دلوں میں حاصل کر لیا کہ وہ اپنی ضرورتیں بھی امّی جان سے ہی بیان کرتے کہ وہ کسی طریقے سے بات منوا لیں۔ ان کو معلوم تھا کہ ابّا جان امی حضور کی بات کبھی رد نہیں کرتے۔ فرماتیں۔ سب بچے باپ کی اولاد ہوتے ہیں۔ کوئی اُس کا سوتیلا نہیں ہوتا۔ حجۃ اللہ نواب محمدؐ علی خاں کی آخری بیماری کے ایّام میں اتنی تندہی سے خدمت کی کہ مثال

قائم کردی ۔ آپ کی بیٹی ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی بیگم صاحبزادی محمودہ صاحبہ لکھتی ہیں "حال یہ تھا کہ ایک منٹ کے لئے بھی آرام نہ کرتی تھیں ۔ زبردستی کرنی پڑتی تھی کہ تھوڑا سا آرام کرلیں ۔ ہر وقت پٹی کے ساتھ لگی بیٹھی رہتی تھیں ۔ پٹی کی رگڑ لگ کر سینے کے درمیان معدہ کے اُوپر ایک پھوڑا بننے لگا ۔ لیکن کسی کو نہ بتایا یا شاید پریشانی میں محسوس ہی نہ کیا ۔ جب ابّا میاں کی وفات ہوگئی دوسرے دن بتایا کہ مجھے درد ہوتا ہے ۔ جب ڈاکٹروں نے دیکھا تو بڑا خطرناک پھوڑا کاربنکل کی شکل کا پیدا ہوگیا تھا ۔ غم اور اُس کی تکلیف کی وجہ سے دو مہینے بستر سے اُٹھ نہ سکیں لیکن بے حد صبر کا نمونہ دکھایا" پس وہ صبر و استقامت کی ایک تصویر تھیں جو نقاش خُدا نے نقش کر کے رکھی ہوئی تھی ۔

زیورِ عشقِ بانیٔ سلسلہ احمدیہ و خلافتِ حقہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا پیار کرنے والی اُس کے پیارے رسُولؐ سے حد درجہ عِشق رکھتی تھیں ۔ وہ خُدا کی محبّت میں سرشار ہمیشہ شفقت علیٰ خلق اللہ کے پہلو پہ سبقت لے جاتیں ۔ کوئی امیر یا غریب ان کی ہمدردی اور پیار سے مشورے سے خالی دست نہیں آتا تھا ۔ وہ نیک نصائح سے مستفید کرنے میں سیر چشم تھیں ۔ سیّدنا حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو بھی اپنی لختِ جگر سے بیحد پیار تھا ۔ اور نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تو پیار کے زیور سے مزیّن ہی تھیں ان کے پیار کا درجہ ملاحظہ ہو کہ وہ درویشوں کو خاص طور پر تحریر کرتی ہیں کہ :۔

"دار المسیح کی ایک ایک جگہ متبرک ہے ۔ بظاہر وہ سال خوردہ گھر ایک دولت ہے ۔ ایک برکتوں کا خزانہ ہے ۔ جس کی ہر اینٹ پہ دُعائے مسیح الزمان مامور ہو چکی ہے ۔ اُن دیواروں پر آپ کی آواز نقش ہے ۔ وہ درد بھری پکار جو آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے ۔

ضرور اُس کا نقش ان دیواروں پر ہوگا ۔ بیت الدعا میں اور تمام
کونوں میں دعائیں کریں ''۔

یہ درخواستِ دُعا صاف بتاتی ہے کہ آپ کی بیٹی اپنے محبوب باپ سیّدنا
حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے کتنا گہرا عشق رکھتی تھیں ۔

بیٹی ! یہ انصاف کا تقاضہ ہے کہ مَیں آپ کی اُس محبت کا ذکر بھی ضرور کروں
جو انہیں اپنی بیٹی نواب مبارکہ بیگم سے تھی ۔ موعودہ ہونے کے ناطے سے جو محبت
حضور کو تھی وہ اگر بیگم صاحبہ کے الفاظ میں ہی بیان کروں تو صحیح ادائیگی ہوگی ۔

"آپ نے بچپن سے ہی مجھ پر بے حد شفقت فرمائی ۔ حتیٰ کہ حضرت
اماں جان بھی مناسب تربیت کے لئے کچھ کہتی تھیں تو آپ اُن کو
بھی روکتے تھے ۔ کہ اس کو کچھ نہ کہو ۔ ہمارے گھر چند روزہ مہمان ہے
یہ ہمیں کیا یاد کرے گی ۔ مَیں چھوٹی تھی ۔ تو رات کو اکثر ڈر کر آپ کے بستر میں
جا گھستی ۔ جب ذرا بڑی ہونے لگی تو آپ نے فرمایا کہ جب بچے بڑے
ہونے لگتے ہیں (اس وقت میری عمر پانچ سال کی تھی) تو پھر بستر میں
اس طرح نہیں آگھسا کرتے ۔ مَیں تو اکثر جاگتا رہتا ہُوں ۔ تم چاہے مجھے
سو دفعہ آواز دو مَیں جواب دوں گا ۔ اور تم نہیں ڈرو گی ۔ اپنے بستر
ہی سے مجھے پکار لیا کرو ۔ پھر مَیں نے بستر پر کود کر آپ کو تنگ کرنا
چھوڑ دیا ۔ جب ڈر لگتا پکار لیتی ۔ آپ فوراً جواب دیتے پھر خوف و
ڈر لگنا ہی ہٹ گیا ۔

میرا پلنگ آپ کے پلنگ کے پاس ہی ہمیشہ رہا ۔ بجز چند دنوں کے
جب مجھے کھانسی ہوتی تو حضرت اماں جان بہلا پھسلا کر ذرا دُور بچھوا دیتی
تھیں ۔ کہ تمہارے ابا کو تکلیف ہوگی ۔ مَیں جلد پھر آجاتی تھی مگر آپ خود

اُٹھ کر سوئی ہوئی کا میرا سر اٹھا کر ہمیشہ کھانسی کی دوا مجھے پلاتے تھے۔
آخری شب بھی جس روز آپ کا وصال ہؤا۔ میرا بستر آپ کے بالکل
قریب ہی تھا کہ بس ایک آدمی ذرا گزر سکے۔ اتنا فاصلہ ضرور رکھا۔" [۱]

زیورِ خلق غربا و مساکین کی خبر گیری کرنے والی خاتون مبارکہ ہمیشہ ایسے ملتیں جیسے کہ ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ ہر ملنے والا یہی خیال کرتا کہ میرا غم بیگم صاحبہ کے میٹھے بول اور صحیح مشورہ کی نظر ہو گیا ہے۔

"اماں جان کے خدمت گزاروں سے بھی بے حد محبت تھی۔ اپنی اولاد
سے تو اخلاق ہر شخص برتتا ہے۔ یہی اولاد سے خلق حسنہ کا مظاہرہ کیا
جائے تو عورت کا مقام خاوند کی نگاہوں میں کتنا بلند ہوتا ہے۔ یہ ذرا
حجۃ اللہ نواب محمد علی خانصاحب شوہر گرامی سیدہ موصوفہ کے اپنے ہی
الفاظ میں سنو۔ فرماتے ہیں کہ "فی الواقعہ دنیا بھر میں بسبب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ
کوئی گھرانہ نہیں کہ ایسا خُدا کے نزدیک معزز ہو۔ پھر صورت کے لحاظ
سے .... اور روحانی لحاظ سے بھی حالت معزز ہے اور سیرت کے
لحاظ سے کس باپ کی بیٹی ہیں۔ بس نہایت پیارا انداز اور عجیب دلکش
طبیعت ہے محبت کرنے والی بیوی ہیں۔ پھر مجھ کو کیوں محبوب نہ ہوں"۔ [۲]

خلافتِ حقہ کے احترام کا جذبہ بھی ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ خلیفہ اوّل کا
ادب و احترام۔ خلیفۃ الثانی سے محبت و عشق۔ خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ سے عقیدت و
پیار۔ سب اپنی اپنی جگہ امتیازی رنگ لئے ہوئے تھے۔ بھائی کے رشتے سے
زیادہ خلافت کے رشتے کی قدر کرتی تھیں۔ جیسے کہ صاحبزادی محمودہ بیگم لکھتی ہیں:۔

"امی جان کو اپنے بھائیوں سے زیادہ پیار تھا۔ ماں باپ بہن اور
بھائی سب کو پیارے ہوتے ہیں۔ لیکن اس پیار میں تو ایک روحانی

[۱]:۔ ماہنامہ مصباح دسمبر ۱۹۷۷ء، جنوری ۱۹۷۸ء ۔ [۲]:۔ اصحاب احمد جلد دوم ۔

رشتہ کا جذبہ بھی شامل تھا۔ خاص طور پر مصلح الموعودؓ سے تو عشق تھا جب بھی بہن بھائی مل کر بیٹھتے عجیب رنگ ہوتا۔ دینی اور جماعتی باتیں بھی ہوتیں۔ اپنی اپنی نظمیں بھی سنائی جاتیں۔ ہنسی مذاق بھی ہوتا۔ گھریلو باتیں بھی ہوتیں لیکن ساتھ ساتھ ایک دوسرے کا احترام بھی"۔

"سب بہن بھائیوں سے بڑھ کر اپنے پیار سے مجھے شرف بخشا بچپن سے انہوں نے مجھ سے خاص محبت کی۔ ہمیشہ میرا خیال رکھا۔ کئی آڑے وقتوں میں میری مدد کی۔ بچپن میں تو غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ کبھی بڑے بھائی بہنوں کو گھرک جھڑک بھی لیتے ہوں گے مگر یہاں تو محض پیار اور نازبرداری ہی تھی۔ ایک دفعہ بھی کبھی ٹیڑھی نظر سے نہ دیکھا۔ میرا بھی یہی حال تھا کہ ہر بات ہر شکایت یا آبا سے یا بڑے بھائی سے کرتی"۔[1]

الغرض ایک عظیم مفکر۔ ایک عظیم شاعر اور ایک عظیم دخترِ مساکین کی ملجاء و ماویٰ۔ نواب محمد علی خانصاحب کی قرۃ العین ہم تم اور سب کی قرۃ العین تھیں۔

ایک حق گو شاعرہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

شفیق۔ خلیق۔ متقی۔ ہمدرد غمگسار
القصہ ہر لحاظ سے ماں تھیں مُبارکہ
یکسر دعا تھیں سب کے لئے باوجود ضعف
ہمت میں ایک کوہِ گراں تھیں مُبارکہ

---

[1] : سوانح فضلِ عمرؓ ۱۴۳

باب ہشتم

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

اچھا تو اب اس دُعا کے دوسرے حصّے "وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا" پر غور کرتے ہیں۔

بیٹی! اس حصّہ میں قرۃ العین ہی بحیثیت ماں ہمارے صفحات کی نمائندگی کرتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اوّل عباد الرحمٰن امام بننے کی دُعا کرتے ہیں۔ دوئم اپنی اولاد کے نیک متقی اور پرہیزگار بننے کے متمنی ہیں۔ یعنی وہ دُعا کرتے ہیں کہ "وہ نورِ ایمان جو اُن کے دلوں میں پایا جاتا ہے صرف ان کی ذات تک محدود نہ رہے۔ بلکہ قیامت تک چلتا رہے۔ اور کوئی زمانہ ایسا نہ آئے کہ ان کی اولاد...... دنیاداری کی طرف مائل ہو جائے۔ اور خُدا اور اس کے رسُول کے احکامات پر دنیا کو مقدم کرلیں۔"

پیدائش سے پہلے

گویا دوسرے حصّہ کا تقاضہ یہ ہے کہ بیوی نیک اور متقی ہو تاکہ نسل کے اتقاء کی ضمانت ممکن ہو سکے۔ اور نسل تبھی متقی ہوگی اگر قرۃ العین پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد قرآن کریم کے احکامات پر عمل کرکے فنافی الرسولؐ ہو کر تربیت کے کسی پہلو کو تشنہ نہ رہنے دے اور دعاؤں میں لگی رہے۔ خود معلمہ بن کر اُنہیں اس قابل بنائے کہ وہ ہمیشہ اسلام کا جھنڈا اُونچا رکھیں۔ اور محمدؐ رسُولِ خُدا کا نام بلند کرتے رہیں۔

بیٹی! یقین جانو ماں کا چہرہ سب سے زیادہ مقدس چہرہ ہے اور یہی گود عظمت کو جنم دیتی ہے۔ اس بوڑھے آسمان کے نیچے جب بھی قرۃ العین کو ماں کے نام سے پکارا گیا وہ ایک حسین ٹھنڈی چھاؤں ہی بن کر میسّر آئی جس کے سایہ تلے

شیر خوار بھی پرورش پانے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔ بچے کے گود میں آنے سے پہلے ہی وہ قربانیاں دیتی ہے اور ننھی سی مخلوق کو ذہن میں رکھ کر وہ قرآن مجید کا ورد کرتی ہے۔ پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ کتب کا مطالعہ کرتی ہے۔ ان ڈھائی صد ایام میں ایسے رہتی ہے جیسے روزہ میں روزہ دار۔ کیونکہ اس کے فرائض تو اسی دن سے شروع ہو جاتے ہیں جس دن سے بچہ شکم مادر میں جنم لیتا ہے۔ اب تو بیٹا! سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ماں کا ماحول۔ اس کا طبعی رجحان اس کے خیالات غرض ہر حرکت کا اثر پیدائش سے پہلے ہی بچے پر شروع ہو جاتا ہے۔ اِسی لئے تو قرۃ العین :-

(۱) اپنے بچے کو زیرک بنانے کے لئے تلاوتِ قرآن سے زیادہ سے زیادہ شغف رکھتی ہے تاکہ محبت الٰہی اور محبت رسولؐ اُس کے رگ و ریشہ میں داخل ہو جائے۔

(۲) احادیث کا مطالعہ کرتی ہے۔ نماز و عبادت میں منہمک رہتی ہے۔ دعائیں اس کا شعار ہیں۔ ہر نماز میں دعائیں کرتی ہے کیونکہ دُعا کا اصل مقام نماز ہی تو ہے اور اسی دربارِ خاص میں وہ اپنے ہونے والے بچے کی آنے والی زندگی کی بہتری و بہبودی کے لئے دعائیں پیش کرتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ نماز بغیر دُعا کے ایسے ہی ہے جیسے ہنڈیا بغیر نمک مرچ ہوتی ہے۔ غرض دین کی آگہی میں ڈوبی رہتی ہے۔

(۳) کتب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مطالعہ کے لئے اس کے لائحہ عمل کا زیادہ تر حصہ وقف ہوتا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ یہ کتب قرآن کریم کے فہم میں مدد دیتی ہیں۔ اُس کے ایمان کی جڑوں کو مضبوط کرتی ہیں۔ یہ روحانی خزائن جن میں قرب الٰہی کے رستے پنہاں ہیں۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور افضلیت کے دلائل

ملتے ہیں ۔نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل ملتی ہے ۔ اگر کہیں نیکی کی تحریک ہے تو کہیں بدی
کے انجام کا خوفناک نقشہ ہے ۔ بہرکیف معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے اور
بچے کے مستقبل کے لئے ان کتب کا مطالعہ ایسا ہی ضروری خیال کرتی ہے جیسے روشنی
ہوا ۔ پانی وغیرہ وغیرہ ۔

ہمارے بزرگوں کا قول ہے کہ اگر ماں پیدائش سے پہلے زیادہ سے زیادہ
لکھے پڑھے تو بچہ پیدائشی عالم پیدا ہوگا ۔کیونکہ یہ پیدائشی ملکیت کوئی کسبی شے نہیں
ہوتی بلکہ بچے کی ذات کا ایک حصّہ ہوتی ہے جس میں دین کا نور ماں کی کوکھ سے ہی
لے کر جنم لینے والا بچہ عظمتوں کی بلندیوں پر پرواز کرتا ہے ۔ اور بظاہر ڈگری کے نہ
ہوتے ہوئے بھی علماء و فضلا کو چیلنج کا امکان پیدا کر دیتا ہے ۔

کون ہے جو اُس بچہ کے مقابلہ میں آئے جس کی ماں نے پیدائش سے پہلے ہی
اُسے علمِ دین سے منور کر دیا ہو ۔ جیسے کہ پیدائش سے پہلے کی امراض لاعلاج ہوتی ہیں
ایسے ہی پیدائش سے پہلے کی بصارت سوجھ بوجھ بھی اَن چیلنج ہوتی ہے کیونکہ خون و
پانی کے ساتھ سینچی ہوئی پیدائشی بصارت اور بعد کے ماحول و تربیت کے نتیجہ میں
حاصل شدہ بصارت میں ایک نمایاں فرق ہوتا ہے ۔ چونکہ نکمی ماں بے کار سوچیں سوچتی
ہے ۔لغو خیالات اور بے مقصد باتوں میں اُلجھی رہتی ہے اس لئے آنے والا نالائق بچہ
بے دین ہی ہوتا ہے ۔ اگرچہ بچہ فطرتِ اسلام پہ پیدا ہوتا ہے لیکن ماں کی طرف سے
جو غیر فطری باتیں اور جلی کٹی سوچیں بچے کو ورثے میں ملتی ہیں وہ اُسے منفی صفات
(NON - PLUS) دیتی ہیں ۔نتیجتاً یہ ہیرا جب سانچے میں ہی غلط شکل اختیار
کر گیا تو اُس کا تراشنا دردِ سر سے کم نہیں اور یہ دردِ سر مول لینے سے بہتر یہی ہے
کہ ماں پیدائش سے پہلے ہی نیکی ۔تقویٰ و طہارت ۔ ذہانت و بصارت پیٹ سے ہی
اُسے عطا کر دے ۔ انہی میں اُسے شامل کرے ۔صبر و درگزر سے کام لے ۔عموماً گھر دں

میں اختلافات ہوتے ہیں ۔ مگران اختلافات کا اثر حاملہ پر باقی گھر والوں کی نسبت زیادہ پڑتا ہے کیونکہ وہ دو جانوں کی رکھوالی کرتی ہے ۔ اسلئے ماں کو یہیں سے قربانی شروع کرنی ہوتی ہے جو تکلیف میں رہ کر بھی بچے پر برے اور رنجیدہ اثرات پڑنے نہیں دیتی ۔ اچھی غذا ۔ اچھی صحت ۔ صاف ستھرا لباس ۔ پاکیزگی ۔ خوشبو کا استعمال ۔ مفاہمت باہم ۔ نماز ۔ تلاوت ۔ مطالعہ ۔ چند سورتوں کا حفظ کرنا اور قصیدہ گانا اور درثمین ۔ کلامِ محمود کے اشعار گنگنانا اُس کے فرائض میں شامل ہے ۔ اور قرۃ العین پیدائش سے پہلے ہی باحسن ادا کرتی ہے ۔ سو یاد رہے کہ جسمانی غذا کے ساتھ ساتھ ۔ روحانی غذا لے کر پروان چڑھنے والا بچہ انشاء اللہ متقی ہوگا اور اس کے والدِ محترم امام ہوں گے ۔

کُلُّ مولودٍ یُولدُ علی الفِطْرَۃ

آج گھر کے افراد میں خدا تعالےٰ کے فضل سے برکت پیدا ہوگئی ۔ دو سے تین ۳ ہوئے یا تین سے چار ۔ بہر صورت برکت و رحمت کے دروازے ماں پر کھولے گئے جس گھر ایک مسلمان بچہ نے جنم لیا ۔ آج وہ ہستی قابلِ تعظیم ہستیوں کی صف میں شامل ہوگئی ہے ۔

بیٹی! یوں تو قرۃ العین بیچاری آج پھر قربانی کے وسیع تر میدان میں داخل ہوگئی ہے ۔ جہاں قربانی کا سلسلہ ہائے ذمہ داری کبھی ختم نہیں ہوگا ۔ سب سے پہلے توحید و رسالت کا پیغام بچے کو اذان کے ذریعے دے دیا گیا ہے جو اس نے جذب کر لیا ہے کیونکہ یہ ایک تحقیق شدہ حقیقت ہے کہ ابتداء میں بچے کے دماغ میں قبولیت کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے ۔ اور جو چیز بھی اُس کے دماغ میں ڈالی جائے وہ اس کے گہرے اثرات اخذ کرتا ہے ۔

وہ روزِ پیدائش سے ہی سنتا ہے ۔ دیکھتا ہے اور اثرات قبول کرتا ہے اسلئے

دونوں ماں باپ بہت پختہ بنیادوں پر اُس کی تربیت کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں اور غیر شعوری طور پر اخلاقی اقدار کی عمارت مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ گویا کہ دودھ کے ساتھ ہی اخلاق بھی جذب کرتا ہے۔ پس روحانی صحت کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کا خیال بھی قرۃ العین رکھتی ہے۔ وہ صبح سویرے بچہ کو جگاتی ہے کیونکہ وہ واضح طور پر یہ جانتی ہے کہ بچہ اگر دیر تک سوتا رہا تو جگر کی بیماری میں مبتلا ہو جائیگا دودھ کی باقاعدگی۔ سبزی کا پانی۔ نہلانا دھلانا سب بیکار ہو جائے گا۔ کیونکہ نُور کی کرنیں جو نسیم سحر دیتی ہے وہ کوئی دوسری دوائی میسّر نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اُس کا ذہن۔ اُس کا جگر۔ اس کے اعصاب صبح کی خنکی سے محروم رہ کر یرقان کی موذی مرض میں بچے کو مبتلا کر دیں گے۔ علاوہ ازیں بڑا ہو کر وہ نماز سے ناغہ۔ اسکول سے ناغہ اور گھر کے کام کاج سے ناغہ ہی کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ تازہ ہوا کی محرومی نے اُسے چڑچڑا اور نکما بنا دیا ہے۔ لیکن قرۃ العین جب صبح اٹھتی ہے بچے کو اٹھاتی ہے۔ خود نماز پڑھتی ہے۔ تلاوت کرتی ہے تو اُس کا یہ روزانہ عمل سال کے ۳۶۵ دن تک ایسے نقوش بچے کے دماغ پر مسلط کر دیتا ہے کہ کوئی بعد کی دنیوی مصروفیت یہ معمول اُس سے چھین نہیں سکتی۔ خواہ حالات کیسے ہی ناساز گار ہو جائیں۔ کیونکہ آج کا بچہ کل کا باپ ہوگا۔ انشاء اللہ۔

بیٹی! مجھے علم ہے کہ طوالت تمہیں پریشان کر رہی ہے لیکن مَیں بھی کیا کروں؟ مَیں اس وجود کے متعلق باتیں کر رہی ہُوں جس کا تمہاری آئندہ زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اچھا تو جب وہ بولنا سیکھتا ہے تو کلمہ طیبہ اور اچھی اچھی باتیں سکھاتی ہے۔ سچے واقعات اور بہادروں کے قصّے سناتی ہے۔ اپنے پروگرام میں یہ شامل کر لیتی ہے کہ آدھ گھنٹہ وقف کر کے مَیں نے پیارے نبی کی پیاری پیاری باتیں اپنے لعل کو ہر روز سنانی ہیں۔ وہ پریوں کے قِصّے نہیں سناتی بلکہ پریوں سے بدرجہا بہتر معجزات سناتی

ہے ۔جو صالحین ۔اولیاء اور انبیاء کے اُس کے پاس موجود ہیں ۔ وہ اس نے امتحان کے لئے یاد نہیں کئے تھے بلکہ نسلوں کے لئے خزینے تھے جو اُس نے جمع کئے تھے۔ نہایت شستہ اور سادہ زبان میں وہ سمجھاتی ہے ۔گھر کے کام سے فارغ ہو کر اس کی جسمانی صفائی کے ساتھ ساتھ اخلاقی بلندی کے لئے وہ کلیوں کی مالا اپنے بچے کے لئے پروتی ہے ۔جس میں موتی ایمان ۔خود اعتمادی ۔ صداقت ۔ بہادری ۔امانت و دیانت اور فرمانبرداری کے ہوتے ہیں ۔

یہ تو بیٹی تم جانتی ہو کہ بچہ اپنے گرد و پیش سے بہت اثر لیتا ہے ۔یہ طے شدہ امر ہے کہ ماں باپ کی بات کو بہت توجہ سے سنتا ہے اور گہرے اثرات قبول کرتا اُس کی اخلاق کی بنیادیں بھی چار پانچ سال کی عمر سے رکھی جا سکتی ہیں اور اُس کے بعد اُسے ان بنیادوں پہ روحانیت کی تعمیر کرنی بہت آسان ہو جاتی ہے ۔اس کے سامنے اچھا نمونہ رکھنا اشد ضروری ہے۔

والدین کا ذاتی اور اخلاقی ماحول اُسے ہر وقت اپنی حفاظت میں رکھتا ہے ۔کسی نے بڑے آدمی سے پوچھا کہ بچوں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے ؟ تو اُس نے جواب دیا کہ تین باتوں کی ضرورت ہے ۔

"اوّل ذاتی نمونہ ۔ دوئم ذاتی نمونہ ۔ سوئم ذاتی نمونہ"

لہٰذا نیک اور پاک نمونہ دکھانے کی ضرورت ہے ۔اور اسے ہی اولیت حاصل ہے ۔

پہلا سبق جو قرۃ العین اپنے بچے کو دیتی ہے وہ ہے سچ کا سبق ۔اس سبق میں وہ مثالوں سے بتاتی ہے کہ کس طرح ہمارے پیارے خُدا ۔ رسُولِ خدا نے تمام گناہوں کو چھوڑنے کے لئے ایک ہی حربہ بتایا ہے اور وہ ہے سچ کا حربہ ۔جس کے ذریعے وہ تمام گناہوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے ۔ وہ سناتی ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی رض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنی بُری عادتوں پہ اظہارِ ندامت کیا اور

گناہوں کو چھوڑنے کا علاج دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا :-

"جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ سب بُری عادتیں رفع ہو جائیں گی"

اب وہ صحابیؓ تو بہت خوش ہُوئے کہ اتنے آسان کام سے میرے اتنے خطرناک گناہ ختم ہو جائیں گے بہت سستا سَودا ہے۔ خیر وہ گئے اور انہوں نے ہر طرح محتاط وقت گزارا۔ لیکن عادت چونکہ بڑے گہرے اثرات و نشان چھوڑتی ہے۔ وہ صحابی حسبِ عادت چوری کے لئے نکلے۔ عین نقب زنی کے وقت انہیں یاد آیا کہ مَیں نے تو خُدا کے رسُولؐ سے جھُوٹ نہ بولنے کا وعدہ کیا تھا اگر چوری کا اقرار کرتا ہُوں تو پکڑا جاتا ہُوں اور اگر انکار کرتا ہُوں تو جھُوٹ بولتا ہوں چنانچہ وہ فعل ترک کیا اور زندگی کا رُخ بدل لیا کیونکہ جو بھی عیب وہ کرنے لگتے سچ آڑے آجاتا اور بُرائی سے روک لیتا۔ غرض صرف جھوٹ نہ بولنے سے ایک گناہ آلود زندگی بسر کرنے والا جنتی بن گیا۔ پس اگر ایک شخص عہد کرے کہ وہ جھُوٹ نہیں بولے گا اور وہ ہمیشہ سچ سے کام لے گا تو وہ رشوت بھی نہیں لے سکتا۔ خیانت بھی نہیں کر سکتا۔ بدکاری بھی نہیں کر سکتا۔ اور باقی گناہ بھی نہیں کر سکتا۔ تو سچ اختیار کرنا اس بات کا اعلان ہوتا ہے۔ کہ اپنی طاقت کے مطابق باقی تمام گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرے گا۔ سچائی اور بدی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک گناہ کونسا ہے جس کے چھوڑنے سے باقی گناہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے آہستہ آہستہ چھوٹ جاتے ہیں؟ تو وہ جھوٹ ہے۔

الغرض جھوٹ اتنا کبیرہ گناہ ہے کہ روزہ دار کا روزہ توڑ دیتا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ رسُولؐ خُدا نے فرمایا کہ تم کو سب سے بڑے تین گناہوں کی خبر دوں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ فرمائیے یا رسُول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا :-

(۱) اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔

(ii) والدین کے حقوق ادا نہ کرنا۔

آپؑ نے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ اتنا فرما کر آپؑ بیٹھ گئے اور فرمایا۔

(iii) خبردار جھوٹ بات کہنے سے بچو اور جھوٹی گواہی سے بھی آپ اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ اور زیادہ نہ فرمائیں تاکہ حضورؐ کو شدتِ احساس کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔

رات کو سوتے وقت ماں چھوٹے چھوٹے واقعات آسان اور سہل زبان میں سُنا کر بچے کے دماغ پر نقش کرتی ہے۔ کیونکہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہؑ نے طفولیت کے زمانے سے ہی تربیت اولاد کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا:۔

" دینی علوم کی تحصیل کے لئے طفولیّت کا زمانہ بہت ہی مناسب اور موزوں ہے۔ جب داڑھی نکل آئی تب ضَرَبَ یَضْرِبُ یاد کرنے بیٹھے تو کیا خاک ہوگا۔ طفولیّت کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔ انسانی عمر کے دوسرے حصے میں ایسا حافظہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ طفولیّت کی بعض باتیں تو اب تک یاد ہیں لیکن پندرہ برس پہلے کی اکثر باتیں یاد نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی عمر میں علم کے نقوش ایسے طور پر اپنی جگہ کر لیتے ہیں اور قویٰ کے نشوونما کی عمر ہونے کے باعث ایسے دلنشین ہو جاتے ہیں کہ پھر ضائع نہیں ہو سکتے "۔ [1]

قرۃ العین بھی طفولیّت کے زمانہ سے ہی ارشاد حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کے مطابق بچوں کے اخلاق کی نگہداشت کرتی ہے۔ اور یسرنا القرآن پڑھانا شروع کر دیتی ہے۔ کبھی انعام سے نوازتی ہے۔ کبھی مناسب سرزنش کرتی ہے۔ ایک غالب ہاتھ ادامر و نواہی کے سلسلہ میں دکھاتی ہے گو وہ ہاتھ استعمال کم کرتی ہے۔ سر یا مُنہ پر تھپڑ نہیں مارتی بلکہ ناراضگی اور خاموشی کی سزا ننھی سی جان کے لئے کافی ہوتی ہے۔

---

[1]:۔ تقریر جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء؁

ہونٹ خاموش مگر بولتی آنکھیں بہت کام کر جاتی ہیں۔

اب بچہ اسکول جانے کے قابل ہؤا تو قرۃ العین نے بہت اعلیٰ و معیاری اسکول کا انتخاب کیا ہے۔ اُسی اسکول میں داخل نہیں کیا جو گھر کے قریب ہے بلکہ کسی معیاری اسکول کی خاطر بچے کو دُور بھیجنے میں جو بھی مشکلات پیش آتی ہیں وہ خندہ پیشانی سے قبول کر لی ہیں۔ جب وہ جاتا ہے تو دعاؤں سے رخصت کرتی ہے۔ آیت الکرسی اور تعوذ تین مرتبہ پڑھ کر پھونک مارتی ہے اور خود سکون سے کام میں لگ جاتی ہے۔ برتنوں میں ہاتھ ہے لیکن زبان پر پاکیزہ اشعار کا ورد ہے۔ پائنچے اُونچے کئے ہُوئے۔ ہاتھ میں جھاڑو اور مُنہ پر بالوں کی لٹ بے پرواہی کا نقشہ کھینچ رہی ہے۔ لیکن وہ تو اپنی جنت میں مگن کبھی یہ اٹھاتی اور کبھی وہ رکھتی ہے۔ وہ تھکتی نہیں ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ صبر و تسلیم کی پیکر حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضؓ نے جب اپنے رحمۃٌ للعالمینؐ باپ سے کام کی تھکان دُور کرنے کا علاج پوچھا تھا تو یہ نسخہ تمام دنیا کی ماؤں کے لئے معلوم کر لیا تھا کہ ۳۳ بار سبحان اللہ۔ ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھنا تھکان ہونے نہیں دیتا۔ یہی نسخہ تسبیح، تحمید و تکبیر وہ دہراتی رہتی ہے۔ بچے اور اُس کے والد کے آنے تک کام ختم کر کے سنور جاتی ہے۔ گھڑی اب کیا بتائے گی؟ ماں تو خود ایک گھڑی بن چکی ہے جو بغیر چابی دیئے ہر روز صحیح وقت دیتی ہے۔ دوپہر کے آرام و سکون کے بعد اسکول کا کام کرواتی ہے۔ بیگ دیکھتی ہے اور کھیلنے کے لئے جانے کی اجازت دیتی ہے۔ ایک سچّے دوست کا انتخاب بھی خود کرتی ہے۔ کیونکہ اچھا دوست ایک نعمت ہے جو اچھی تربیت کے لئے ایک ضروری FACTOR ہے۔

کھیل کے لئے جاتے وقت اُس کے ذہن کو بانٹتی ہرگز نہیں کہ "دیکھو فلاں کام ابھی باقی ہے تمہیں واپسی پر آکر کرنا ہے"۔ بلکہ آزادانہ ذہن کے ساتھ کھیل کے میدان میں

داخل ہونے دیتی ہے۔ اُس کو سوتے میں جگاتے وقت دور سے بلند آواز سے نہیں جگاتی بلکہ پیار سے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہتی جاتی ہے کہ میٹھے اُٹھو گھڑی یہ بجا رہی ہے اب اُٹھو۔ خود کلمہ پڑھتی ہے اور بچے کے لئے قرآنی آیات باآواز بلند پڑھتی جاتی ہے۔ گویا ہر کھلنے والی آنکھ ایک چلتے پھرتے قرآن کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ صبح دم بچہ بیدار ہو کر اپنے فرائض ضروری سے فارغ ہو کر سویا ہوا نہیں پھرتا بلکہ نماز و قرآن سے فارغ ہو کر اسکول کی تیاری کرتا ہے۔ استاد کا فرمانبردار مؤدب بچہ جب واپس آتا ہے تو بیگ مقررہ جگہ پہ رکھتا ہے۔ یونیفارم بدلتا ہے گھر اور اسکول کا کام وقت پہ کرنے والا نونہال قوم کے ایک محنتی شہری کی زندگی اختیار کر جاتا ہے جس کا اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ اوڑھنا۔ بچھونا سب شعارِ دین کے مطابق ہوتا ہے۔ ماں نے نماز کے لئے بچے کو اتنا عادی بنا دیا ہے۔ کہ وہ مقررہ اوقات پر بڑی آسانی سے نماز ادا کر لیتا ہے۔ بیشک اولاد اگر پابند نماز ہو تو گھرانہ اس دنیا میں ایک جنّت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ آج آٹھ دس سال کے بعد خدا تعالیٰ نے ماں کو یہ نوید مسرت عطا کی ہے کہ اسکا بچہ قرآن کے تاج سے مزین ہے۔ اور رشتہ دار و اقارب اس تقریب آمین میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ قرۃ العین نور کے ہالہ میں اپنے بچے کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجالاتی ہے۔

بیٹی! اس جگہ اگر میں تمہیں مزید وضاحت سے بچانے کیلئے اس حفظِ قرآن کرنے والے ننھے بچے کو قرۃ العین اور عباد الرحمٰن کی خصوصیت کا متحمل تصور کر لوں تو بے جا نہ ہوگا آئیے اب ہم اُس قرۃ العین سے بھی ملتے ہیں جس نے اکرموا اولادکم و احسنوا ادبھم کے اصول پر عمل پیرا ہو کر اپنے بچے کی تربیت کی۔ پھر خدا تعالیٰ نے ایسی برکت ڈالی کہ وہ بچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا موعود خلیفہ یعنی قدرتِ ثانیہ کے مظہر الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مقامِ محمود تک جا پہنچا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ؛

حضرت سیّدہ اُمِّ طاہرؒ

پیکرِ شفقت امّ طاہرؒ ایک ایسی شخصیت تھیں کہ ایک دفعہ اگر کوئی اُن سے مل لے تو مہینوں آپ کی یاد دماغ سے محو نہیں ہوتی تھی ۔ گویا آپ کی صورت مترسم ہو کر آنکھوں میں رہ جاتی تھی ۔ کیونکہ وہ پیار کی پتلی تھیں ۔ نقش نقاش تھیں ۔ اور دکھیوں کے زخموں کی مرہم تھیں ۔ ویسے تو کئی شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے اخلاقِ حسنہ ۔ صفاتِ عالیہ اور حسنِ کردار سے اپنے ہر ملنے والے کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہیں ۔ مگر آپ ایک ایسی نادر ہستی تھیں کہ جن کا نقطہ ارتکاز ہی محبّت و پیار تھا ۔ ایک ایسی دلکشی اور جاذبیت تھی کہ یوں معلوم ہوتا کہ آسمان سے اتر کر ایک حور ہمارے درمیان آگئی ہے ۔

بیٹی ! یہ ٹھیک ہے کہ جنّت کی حور ہم نے دیکھی نہیں مگر قرآن مجید میں جو تشریح حوروں کی سورہ رحمٰن میں بیان ہوئی ہے ۔ وہ کچھ عکاسی کرتی ہے اُس روحانی وجود کی جو ہمارے درمیان کم و بیش نصف صدی رہا ۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے الہام کے مطابق وہ خاتون مبارکہ تھیں آپ کا الہام تھا :-

”تیرا گھر برکتوں سے بھرے گا ۔ اور مَیں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا ۔ تیری نسل بہت ہوگی ۔ اور مَیں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤں گا ۔ اور برکت دوں گا ۔ اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی ۔ تیری ذرّیت

منقطع نہیں ہوگی۔ اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام
کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ رکھے گا اور
تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا" [۱]

بیٹی! یہ تھے الہام کے الفاظ جو تم نے اچھی طرح پڑھ لئے۔ اب وہ خاتونِ مبارکہ کیسے بنیں؟ یہ اُس دن ہی خواتین مبارکہ میں شامل ہو گئیں جس دن حضرت اقدس نے بحیثیت بہو انتخاب کی نظر اُن پر ڈالی۔

حضرت اُمِ طاہرؒ کا اصل نام مریم بیگم تھا۔ ایک معزز سادات خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ دُعا گو اور پارسا ماں کی گود میں پرورش پاتی رہی تھیں۔ ابھی چھوٹی ہی تھیں کہ سیالکوٹ سے قادیان بحیثیت مہمان تشریف لائیں اور اپنے والدین کے ساتھ حضرت اقدس کے در دولت پر ہی رہائش کی سعادت حاصل ہوئی۔

۱۹۰۰ء میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے کسی مخلص بزرگ نے خواب میں دیکھا۔ کہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد (جن کی عمر اس وقت تقریباً آٹھ سال تھی) کی شادی ہو رہی ہے۔ اگرچہ مبارک احمد کی پیدائش سے قبل ایک روز ہی پہلے ۱۸۹۹ء میں بذریعہ وحی خدا تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ:۔

"یہ لڑکا فوت ہو کر جلد خُدا سے جا ملے گا" [۲]

تاہم باپ کا دل تھا۔ یہی خواہش کی کہ یہ دن ٹل جائے اور چاہا کہ خواب مذکورہ کو ظاہری شکل میں پورا کر دیا جائے۔ تو اس طرح خواب کو ظاہری شکل دینے کے لئے آپ کی نظرِ انتخاب اس وقت ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب کی صاحبزادی مریم بیگم پر پڑی اور آپ نے محترمہ سیدہ بیگم عبدالستار شاہ صاحب کو بلایا اور فرمایا:۔

"ہمارا منشاء ہے کہ مبارک احمد کی شادی کر دیں۔ آپ کی لڑکی مریم ہے اگر پسند کریں تو اس کی شادی مبارک احمد سے کر دی جائے"

---

[۱]:۔ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء۔ تذکرہ صفحہ ۱۴۴ ۔ [۲]:۔ تریاق القلوب

انہوں نے کہا حضور! مجھے کوئی عذر نہیں مگر ڈاکٹر صاحب سے رائے لینی ضروری خیال کیا (مرزا مبارک احمد اُن دنوں بیمار تھے اور ڈاکٹر صاحب کے ہی زیر علاج تھے) بیگم ڈاکٹر عبدالستار صاحبہ نے جب شوہر سے بات کی تو انہوں نے عین سعادت خیال کرتے ہوئے فرمایا۔ "اگر حضور کو پسند ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہے"۔ چنانچہ ۱۹۰۷ء کو نکاح ہوگیا۔ لیکن مشیّتِ ایزدی کچھ اور فیصلہ کر چکی تھی۔ آج تو امّ طاہرؓ کے والدین کا خدا تعالیٰ کو امتحان مقصود تھا۔ سو الحمدللہ کہ وہ سو فیصد پورے اُترے اور اپنی بچی کا ہاتھ خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور اس طرح آپ کی منشاء کے مطابق سیّدہ مریم بیگم کو یہ سعادت نصیب ہُوئی لیکن مرزا مبارک احمد بموجب حکم خُداوندی خُدا کو جا ملے۔ لیکن حضور اپنے ہاتھوں سے حضرت سیّدہ مریم بیگم کو خواتین مبارکہ میں شامل فرما گئے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ اس لڑکی کا رشتہ ہمارے گھر میں ہی ہو تو اچھا ہے۔

چنانچہ صادق القول خُدا اپنے پیارے بندوں کے ارادوں میں بھی برکت ڈالتا ہے اور اُن کے قول و فعل میں مطابقت پیدا کر دیتا ہے۔ وہی سیّدہ مریم حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق خُدا کے فضل سے فضلِ عمر کی رفیقِ حیات بن کر پھر اُسی گھر میں آئیں اور قدرتِ ثانیہ کی محبت بن کر طبقہ نسواں کی ماں بن گئیں۔

بلاشک آپ محبُوبِ خدا کی محبُوب ہستی تھیں اور قدرتِ ثانیہ کی دعاؤں کا ثمر تھیں۔ آپ ایک ہیرا تھیں جسے بیشک تراشا مصلح الموعودؓ نے تھا لیکن جوہری حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تھے۔ جنہیں جوہر شناسی میں کمال حاصل تھا۔ اور جنہوں نے بچپن میں ہی وہ گود شناخت کر لی تھی جس نے خلافت کو پروان چڑھانا تھا۔ حضرت اقدس نے دو بہوئیں خود منتخب فرمائی تھیں اور خدا تعالیٰ نے حضور کی مبارک نگاہ و دُعا میں وہ اثر رکھا ہوا تھا کہ دونوں گھر کی دہلیزیں بابرکت و مبارک اس حد تک ہوئیں کہ

قدرتِ ثانیہ نے ان کی کوکھ سے جنم لیا۔ ان دونوں کی گود میں خلافت پروان چڑھی۔ حضرت سیّدہ محمُودہ بیگم صاحبہ نے خلافتِ ثالثہ کو جنم دیا تو حضرت سیّدہ مریم بیگم صاحبہ نے خلافت کی چوتھی پیڑھی کو پرورش کیا۔ اور اپنی اپنی جگہ عاشقِ رسُول اور عاشقِ قرآن پیدا کر دیئے۔

دراصل یہ آسمانی تربیت تھی جس کا ظاہری انتظام دردمندوں کی شافی المصلح الموعودؓ کی قرۃ العین کے سپرد کیا گیا تھا۔ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ چھوٹی عمر میں بچوں کے دل شفاف آئینہ کی مانند ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک دفعہ عبادت کی عادت پڑھ جائے تو مستقل اور دائم رہتی ہے۔ اس لئے وہ اپنی اولاد کے لئے ہر وقت دعائیں کرتیں اور تربیت کے ہر پہلو کو مدنظر رکھتیں۔ وہ محمد رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید اور اسلام کی مثالی عاشق تھیں۔ اپنے بچوں میں بھی اس رسالت کے عشق کو کوٹ کوٹ کر بھرنا چاہتی تھیں۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے خُدا کے حضور التجائیں کرتیں۔ گڑگڑاتیں اور اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے خُدا سے بھیک مانگتیں کہ اے خُدا! میرے طاری کو قرآن مجید کا تاج پہنا اور حافظِ قرآن بنا دے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃُ رابع ایدہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:۔

"امّی اپنی اولاد کے لئے ہر قسم کی دینی ترقیات کے لئے بھی بہت دعائیں کرتی تھیں اور خاص طور پر میرے لئے۔ کیونکہ امّی کے یہ الفاظ مجھے کبھی نہ بھولیں گے۔ اور وہ وقت بھی کبھی نہ بھولے گا کہ جب ایک دفعہ امّی کی آنکھیں غم سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ آنسو چھلکنے کو تیار تھے اور امّی نے بھرائی ہُوئی آواز میں مجھے کہا۔ طاری! مَیں نے تو خدا تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے خُدا! مجھے ایسا لڑکا دے جو نیک اور صالح ہو اور حافظِ قرآن" [1]

---

[1] :۔ الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۲۲ء صد؟

"اگر پانی جیسی سیال چیز قطرہ قطرہ گر کر پتھر جیسی سخت چیز میں دائمی نقش پیدا کر سکتی ہے تو ماں کی شب و روز کی نصیحت بچّوں کے دلوں میں کیوں یہ غیر فانی ایمان پیدا نہیں کر سکتی؟"

بیٹی! کتنے مؤثر اور سنہری الفاظ میں قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے تربیت کے انداز کو بیان فرمایا ہے۔ اور یہاں تو حالت یہ تھی کہ بچہ بھی حضرت امّ طاہر کے سامنے مبشر تھا۔ ترٰی نسلاً بعیداً کا مصداق تھا۔ ....

.... دعاؤں کے شیریں ثمر طاہر کے سامنے ایک ارفع و دلکش اسوہ تھا۔ اور کانوں میں ماں کے اقوال شہد و تریاق بن کر اترتے تھے۔ وہ بے شک چھوٹا محمود بن گیا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

حضرت خلیفۃ رابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنی امّی کے اندازِ تربیت کا یوں ذکر فرماتے ہیں:۔

"اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا۔ یا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کوئی واقعہ سامنے آتا تو امّی کہہ اٹھتیں۔ دیکھو طاری! اللہ اپنے بندوں سے کتنی محبت کرتا ہے اور اس کی مثال میں مجھے بعض دفعہ حضرت موسیٰ اور گڈریئے کا قصّہ سناتیں۔ اور کچھ اس انداز سے اور اس پیارے لہجہ سے خُدا کا ذکر کرتیں کہ ہر ہر لفظ گویا محبت کی کہانی ہوتا۔ اور پھر اسی طرح خُدا کے پاک کلام قرآن پاک سے بے انتہا محبت تھی۔ سوائے اس کے کہ بیمار ہوں روزانہ صبح نماز سے فراغت حاصل کر کے قرآن کریم پڑھتی تھیں۔ اور مجھے بھی پڑھنے کیلئے کہتی تھیں۔ جب میں پڑھتا تھا تو ساتھ ساتھ میری غلطیاں درست کرتی جاتیں تھیں۔ اور مجھے نماز پڑھانے کا ایسا شوق تھا۔ کہ بچپن سے

ہی کبھی پیار سے اور کبھی ڈانٹ کر مجھے نماز کے لئے مسجد میں بھیج دیا کرتی تھیں اور اگر میں کبھی کچھ کوتاہی کرتا تو بڑے افسوس اور حیرت سے کہتیں کہ طاری! تم میرے ایک ہی بیٹے ہو۔ سو میں نے خُدا سے تمہارے پیدا ہونے سے پہلے بھی یہی دُعا مانگی تھی کہ اے میرے رب مجھے ایسا لڑکا دے جو نیک ہو۔ اور میری خواہش ہے کہ تم نیک بنو۔ اور قرآن شریف حفظ کرو۔ اب تم نمازوں میں تو نہ کوتاہی کیا کرو۔ مگر جب میں نماز پڑھ لیتا تو میں دیکھتا کہ امّی کا چہرہ وفورِ مسرت سے تمتما اٹھتا۔ اور مجھے بھی تسکین ہوتی۔ پھر مجھے اکثر کہتیں۔ طاری! قرآن کریم کی بہت عزّت کیا کرو"۔ [۱]

تربیت کے ہر پہلو پر توجہ دیتیں۔ اور یہی کوشش کرتیں کہ ابتدائی عبادت نماز چھوٹی عمر میں ہی طاری کے شفاف آئینہ دل کی گہرائیوں تک اُتر جائے۔ سو وہ کامیاب ہوئیں اور سرفراز ہو کر قابلِ صد مبارک باد قرار پائیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ:۔

"...... ہماری غلطیوں پر سخت ناراض ہوتی تھیں اور بعض اوقات بدنی سزا بھی دیتی تھیں۔ زیادہ تر غصّہ بچے کی ضد پر آتا تھا۔ اگر کوئی بچہ اپنی ضد پر اڑ کر بیٹھ جائے تو اس وقت تک نہیں چھوڑتی تھیں جب تک اُس کی ضد نہ توڑ لیں۔ نصائح عام طور پر اس رنگ میں کرتی تھیں کہ دل میں اتر جاتی تھیں۔ اگر کسی امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دینا ہو تو وہ ضرور دیتی تھیں۔ مثلاً ایک دفعہ بہشتی مقبرہ سے دُعا کر کے واپس آ رہے تھے راستے میں کوئی شخص گزرا جس نے ہمیں سلام کیا نہ میں نے اُسے۔ اس پر مجھ سے بہت مایوس ہوئیں کہ تمہیں اتنا سلیقہ نہیں کہ راستہ چلتوں کو سلام کہو۔ میں نے کہا۔ اس نے بھی

---

[۱]:۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ص۱۵؀

تو نہیں کہا تھا۔ تو کہنے لگیں۔ تمہیں اس سے کیا غرض؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سب کو پہلے سلام کیا کرتے تھے۔ پھر نصیحت کی کہ دیکھو۔ خواہ کوئی واقف ہو یا ناواقف ہو اُسے پہلے سلام کیا کرو"۔ [۱]

خادمِ دین طاہری کی ماں دل کی گہرائیوں سے یہ جملے بار بار دہراتیں :۔

" خدایا! میرا طاہر تیرا پرستار ہو۔ یہ عابد و زاہد ہو۔ اسے خادمِ دین بنائیو۔ اسے اپنے عشق۔ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور حضرت اقدس کے عشق میں سرشار کیجیو"

" اے آسمان تو گواہ رہ اے زمین تو بھی بلند آواز سے شہادت دے کہ آج حضرت سیّدہ اُمّ طاہرؒ کی وہ دعائیں کس شان وشوکت سے اپنے انتہا کو پہنچیں .... اگر آج وہ زندہ ہوتیں تو دیکھتیں کہ ان کا بیٹا خُدا کا پرستار ہی نہیں بلکہ توحید کے پرستاروں کا امام بن گیا ہے اور آج اُس کے قدموں میں بیٹھ کر ہی خُدا ملتا ہے۔ وہ اپنے اولوالعزم باپ حضرت مصلح الموعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کی خوبو اور آسمانی صفات و برکات کا ظل وعکس ہے۔ اور حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ کا محمودؑ آپ کے روپ میں ایک دفعہ پھر پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے۔ آج اس کے وجود کے روئیں روئیں سے عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ اور ہاں آج اس کا دل امام جماعتِ احمدیہ کے عشق سے معمور ہو چکا ہے"! [۲]

بیٹی! حضرت سیّدہ اُمّ طاہرؒ کا وجود بیشک نافع الناس تھا۔ آپ اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ مستورات کی تربیت پر بھی بہت توجہ دیتیں۔ اور کوئی موقعہ تربیت کا ہاتھ سے نہ جانے دیتیں۔ بلکہ حقیقت میں اپنے آرام وسکون کو مستورات کی بہتری کے

---

[۱]۔ تابعین اصحابِ احمد جلد سوم صفحہ ۲۰۹-۲۱۰ ؛ [۲]:۔ ماہنامہ خالد اگست ۱۹۸۲ء ؛

مقابل کبھی ترجیح نہ دیتیں۔ جماعتی کاموں میں اتنی کھو جاتیں کہ اپنی صحت کا بھی خیال نہ رہتا۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ لجنہ اماء اللہ کی مرکزی اور مقامی کارکنات نے آپ کو گھیرا ہُوا نہ ہو خصوصاً جمعہ اور ہفتہ کا روز۔ حد تو یہ ہے کہ کوئی لمحہ بھی آپ کا اپنا نہ تھا آپ کے دروازے سے ہی مستورات حضور کے باقی گھروں میں آتی جاتی تھیں۔ ہمیں اصل میں یہ پہچان ہی اُس چہیتے دروازہ کی تھی جو اُمّ طاہر کے درِ دولت کا دروازہ تھا۔

پس وہ عورتوں کی محبُوب مہمان نوازی میں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ مہمان اس کثرت سے آتے تھے کہ گھر ایک چھوٹی سی نو آبادی بن گئی تھی۔

جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ ہونے کی وجہ سے مستورات کے جلسے کے انتظامات۔ کثرت سے خواتین کا آنا جانا۔ گھر کے مہمانوں کے کھانے اور رہائش کا انتظام کرنے سے عام طور پر تھکان دُور کرنے کے لئے گرم پانی کی بوتلیں بستر میں رکھ کر سوتیں لیکن پیشانی پر بل نہ آنے دیتیں۔

قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثانی کی حرم مبارک سے محبت بے شک لاثانی تھی جس نے آپ کو ایک ممتاز مقام عطا کیا۔ آپ تو حصار تھیں تیرے لئے اور میرے لئے اور ہر خاص وعام کے لئے بلکہ سایۂ مومنات تھیں۔ یہاں تک کہ آپ تو اپنے مجازی خُدا کے لئے بھی امن وچین کا حصار تھیں ؎

ہو گیا گُل دیا میرے گھر کا
امن و چَین کا حصار گیا

یہ محبّت کا سفر ۲۷ فروری ۱۹۲۱ء سے شروع ہو کر مارچ ۱۹۴۴ء کو ان الفاظ پہ ختم ہُوا ؎

اِک طرف تقدیرِ مبرم اک طرف عرضِ دُعا
فضل کا پلڑا جھکا دے اے میرے مشکل کشا

پس خُدا کے فضل کا پلڑا ہی اس رنگ میں جھکا کہ وہ نعمتِ غیر مترقبہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ہم سے رخصت ہوئیں اور طبقہ نسواں کو سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدظلہا العالی کی سپردگی میں دے کر رفیق اعلیٰ سے جا ملیں۔

زندگی کا ایک ایک لمحہ اور اپنی تمام خداداد استعدادیں خدمتِ دین کے لئے وقف کرنے والی سیّدہ امّ طاہرؒ نے جب جان جانِ آفریں کے سپرد کی تو عورتوں پر ایک اور احسان کر گئیں۔ کہ انہیں ایک دردمند دل حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ رابع کی شکل میں عطا کر گئیں۔ وجزاھا اللہ احسن الجزاء۔

یہی وہ درد کی کسک تھی جو آپ حضور کے وجود میں منتقل کر گئیں کہ آج عورت کا دکھ عورت کا نہیں بلکہ آپ کا ہے۔ اور یہ چیز آپ کو ورثہ میں ملی ہے۔

"اے ہمارے رحیم و رحمٰن خُدا! اے ہمارے کریم اور ودود رب ہم تیرے شکرگزار ہیں کہ تُو نے ہمیں اپنے فضل سے نوازا اور ہماری حالتِ خوف کو ایک بار پھر امن میں بدل دیا۔ تو ہمارے پیارے امام کو صحت و سلامتی والی لمبی عمر عطا فرما۔ جملہ مقاصد عالیہ دینیہ میں آپ کو عظیم الشان کامیابیوں سے نواز۔ ہر قسم کی زمینی اور آسمانی تائیدات ہمیشہ حضور کے شامل حال رکھ"

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ [۱]

---

[۱]:۔ ماہنامہ خالد اگست ۱۹۸۲ء صفحہ ۴۹

باب نہم

پردہ

جہاں تک پردہ کا تعلق ہے تمام امتیازی خصوصیات رکھنے کے باوجود کوئی بے پردہ عورت قرۃ العین نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اُس نے بنیادی حکم سے ہی انحراف کیا ہوا ہے۔ خالص وہ حکم جو صرف اس کے لئے نازل ہؤا ہے اسی سے لاپرواہ ہے بیٹی قرآن مجید میں سات سو احکامات ملتے ہیں جن میں برائیوں سے منع فرمایا گیا ہے۔ اور نیکیوں کی نشان دہی کر کے ان پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عرف عام میں انہیں اوامر و نواہی کہتے ہیں۔ بہر صورت ۷۰۰ احکام میں مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ تقریباً ہر حکم جو مردوں کے لئے لازم ہے وہاں عورتوں کا بھی کہیں نہ کہیں تعلق ضرور ہے مگر ایک حکم ان میں ایسا ہے جو صرف اور صرف عورت کو دیا گیا ہے اور وہ ہے پردہ کا حکم۔ اب بیٹی خود ہی بتاؤ کہ وہ عورت کتنی بدنصیب ہے جو اپنے خُدا اور اُس کے محبوب رسُول کے ایک اہم حکم کی بھی تعمیل نہیں کرتی جو صرف اُس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اُس مثالی قطار میں ہی شامل نہیں ہوتی جو اُس کو دوسروں سے ممیز کرے۔ پھر باقی ماندہ خوبیوں کو شمار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گی کہ بے پردہ عورت آنکھ کی ٹھنڈک کیسے بنے گی جبکہ کئی غیر محرم مردوں کی آنکھیں اُسے دیکھتی ہیں۔ اور عباد الرحمٰن کے لئے یہ ایک لمحہ فکر ہوتا ہے۔ الغرض عورت قرۃ العین پردہ کرتی ہے اور سنوار کر پردہ کرتی ہے۔ عورت اگرچہ آجکل پردہ نہ کرنے کی بڑی وجوہات بیان کرتی ہے۔ مگر وہ نہیں جانتی کہ خدا تعالیٰ نے اُسے ڈھانک کر کتنا بڑا اس پر احسان

کیا ہے۔ کیونکہ قابلِ احترام۔ عزیز اور قابلِ قدر چیز ہمیشہ لوگوں کی نظروں سے دُور رکھی جاتی ہے۔ پردہ کے فوائد کیا ہیں یہ تو ہر احمدی عورت جانتی ہے صرف چادر اور برقعہ کی تاویلیں ہیں جن میں اُلجھ کر دہ بے پردہ ہوگئی ہے۔ تمہیں طوالت سے بچانے کے لئے میں صرف برقعہ کا ذکر تم سے کرتی ہوں تاکہ تم پر واضح ہو جائے کہ برقعہ پردے کے لحاظ سے چادر سے کہیں افضل ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ پردہ سے مراد مُنہ چھپانا ہے۔ ولا یبدین زِینَتَھُنَّ فرما کر اللہ تعالیٰ نے عورت سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر ہونے نہ دے۔ اب چہرے سے بڑی کونسی زینت ہوگی ؟ چنانچہ اولیت چہرہ کو حاصل ہوئی جس کو چھپانا مقصود ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز سے چھپایا جائے ؟ تو جس قسم کے تراش شدہ کپڑے سے بھی چہرہ اور جسم چھپایا جا سکے وہی صحیح جلباب ہے اور یہی مناسب جواب ہے۔ حدیث شریف میں جلباب کا ذکر آیا ہے۔ یعنی چادر کا ذکر ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کی واضح تشریح بھی کی ہے۔ سنو! آپ فرماتے ہیں :۔

"اِس سے زینت والی اوڑھنی یا دوپٹہ مراد نہیں۔ بلکہ وہ سادہ چادر مراد ہے جو زینت والے لباس کے اُوپر پردہ کی غرض سے لی جاتی ہے۔ اور دراصل برقعہ بھی حقیقتہً جلباب کی ہی ایک قسم ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ موجودہ برقعہ اسلامی پردہ کا لازمی حصّہ نہیں ہے۔ لیکن جو چیزیں زینت والے لباس کے اوپر جسم کی زینت کو چھپانے کی غرض سے اوڑھی جائے وہ جلباب کے مفہوم میں شامل ہے ۔"

اب مندرجہ بالا تشریح کے مطابق ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ برقعہ چہرے کو صحیح چھپاتا ہے یا چادر صحیح معنوں میں وَلا یبدین زینتھن کی مصداق ہے۔

بیٹی! برقعہ پہن کر عورت اِلّا مَاظھر منھا کے مطابق حسبِ ضرورت راستہ دیکھنے کے لئے آنکھوں کو اور سانس لینے کے لئے ناک یا منہ کے دہانے کو

کھلا رکھ سکتی ہے۔ لیکن چادر پہن کر وہ یا تو سارا مُنہ ننگا رکھے یا پھر منہ چھپانے کے لئے اپنے ایک ہاتھ کو بے کار کر کے چادر کے ساتھ ٹانک لے تاکہ چادر ڈھلک کر نیچے اُتر نہ جائے۔ چادر مخالف ہوا کو تو روک سکتی ہے مخالف نگاہوں کو نہیں روک سکتی۔ کیونکہ ایک چادر پوش عورت بازار میں سڑک پار کرتے وقت بچے کو گود میں اُٹھا کر۔ یا طالبہ کتابوں کا تھیلا پکڑ کر یا ضروری اشیاء کی شاپنگ کر کے بس میں سوار ہوتے وقت چادر سے غافل ہو جائیگی۔ اور اس وقت چادر ڈھیلی ہو کر چہرے سے اُتر جائے گی۔ جبکہ اس کے برعکس برقعہ پردہ کا بہترین ضامن ہے۔ نقاب باندھ کر آپ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں تعلیم دے سکتی ہیں۔ مارکیٹ جا سکتی ہیں۔ ہسپتال جا سکتی ہیں۔ نرسنگ کر سکتی ہیں۔ سواری کر سکتی ہیں حتّٰی کہ بوقتِ ضرورت تلوار چلا سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ نے کوٹ نما برقعہ پہنا ہوُا ہے جس کا نقاب باندھا ہوُا ہے اور آپ کے ہاتھ خالی ہیں۔ دوسرے چادر تو مسلمان کا آخری لباس ہے۔ جو کفن کے طور پر کام آئے گا۔ آخر کیا مصیبت ہے کہ بغیر تراش خراش کے ہم چادر لپیٹے پھریں۔ کیوں نہ پردہ کرنے کے لئے موزوں برقعہ جو آجکل رائج ہے استعمال کریں۔ تاکہ سہولت بھی میسّر آئے اور اپنے پیارے خُدا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کماحقہٗ عملدرآمد بھی ہو جائے۔

حضرت اماں جان سیّدہ نصرت جہاں بیگم ؓ کا برقعہ ہمارے لئے بہترین تقلید المثال پردہ ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں آپ کو دارالمسیح قادیان کی طرف سے دارالسلام حضرت نواب مُبارکہ بیگم صاحبہ ؓ کی کوٹھی کی طرف جاتے ہوُئے دیکھتی تو مجھے ایک نورانی وجود لیکن آسمانی روح نظر آتیں جو کالے برقعہ میں چھتری اوڑھے ہوُے باوقار قدموں سے پُرسکون جا رہی ہوتیں۔ آپ کا پردہ اتنا عالی شان مثالی پردہ ہوتا تھا کہ پاس سے گزرنے والی عورت یا بچی بغیر برقعہ اوڑھے نہیں

رہ سکتی تھی۔ یقیناً چادر کے پردہ کا گمان بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پردہ خاموش تبلیغ تھی۔ ابھی تک جس کا اثر میری طبیعت پر یہ ہے کہ مَیں ہمیشہ یہ خیال کرتی ہوں۔ کہ اتنی اچھی نورانی پُروجاہت شکل عبادت و اتقاء کے نُور کے علاوہ ڈھانک کر رکھنے کی وجہ سے بھی تھی۔ کیونکہ کسی کی آنکھ نے وہ نُور دیکھا ہی نہیں تھا۔ حالانکہ وہ سیّدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی رفیق حیات تھیں۔ اُن کے چہرے کی پاکیزگی اور نُور کو یاد کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کے نُور کا گمان ہوتا ہے۔ سبحان اللہ کیسا پُرسکون نفیس و شفیق وجود خدا تعالیٰ نے بنایا تھا جو مسحورکن مزاج رکھتا تھا۔

اِسی طرح تمام وہ محبُوب ہستیاں جو ہمارے سامنے اپنے اسوہ کی بناء پر زیادہ نمایاں ہیں پردہ کی بہترین امین تھیں۔ چشم غیر نے انہیں کبھی نہیں دیکھا اور یہی پردے کا اصل مقصد ہوتا ہے۔

زمانہ قریب کی قرۃ العین حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ[رحمہا اللہ] کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ تم نے خود آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث[رحمہ اللہ] کے ساتھ بہترین مثالی پردہ کرتے ہوئے یورپ کے سفر میں دیکھا ہے۔ آپ کی سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے جو تصویر ہے دیکھ کر تمہیں یقین کی حدیں نصیب ہو جائیں گی اب دیکھو کوئی چادر اوڑھ کر اس انداز سے ہاتھوں کو مصروفِ کار کر سکتا ہے؟

حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ

بیٹی یہ تو تم جانتی ہو کہ حضرت خلیفۃ ثانی المصلح موعودؓ کی پہلی بہو حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ حجۃ اللہ کی بیٹی تھیں۔ حجۃ اللہ کا لقب حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کو خدا تعالیٰ نے الہاماً دیا تھا۔ اور تمہیں یہ بھی علم ہے کہ حضرت اقدس کو آپ کی گردن کشفی طور پر اُونچی دکھائی گئی تھی۔ جو عزّت اور اقبال مندی کی دلیل ہے یہ اقبال مندی اور عزّت آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدہ مبارکہ بیگم صاحبہ کی رفاقت دے کر عطا کر دیا۔ اور دوسری طرف عزّت و اقبال مندی خدا تعالیٰ نے آپ کی بیٹی کو قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثالث کی رفیقہ حیات بنا کر عطا کی۔ یہ خدا تعالےٰ کے کام ہیں کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے کشف کو کیسے لفظ بلفظ پورا کیا۔ ایک تو آپ خواتین مبارکہ میں سے ایک پیکرِ تقدس کے شوہر تھے۔ پھر دوسرے آپ فخرِ نساء سیرتِ کبریٰ کی آئینہ دار بیٹی کے باپ تھے۔ خُدا تعالیٰ نے آپ کو داماد نافلہ موعود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا تابندہ و درخشندہ نشان عطا کیا تھا۔

اب تم سے مَیں اُس خاتونِ مُبارکہ اور مبشر بیٹی کی باتیں کرنے لگی ہوں جن کے دودھیال اور ننھیال دونوں طرف سے غیر معمولی بزرگی اور تقدیس کے حامل تھے۔ بیٹی! سیرت پر تو بہت کچھ لکھنے کو دل چاہتا ہے لیکن صورت پر صرف دو کلمات کہہ دوں تو تمہارے دماغ میں صحیح اور واضح نقشہ آجائے گا۔ بیٹیا! وہ نقشِ نقاش تھیں۔ چاند کا ہالہ تھیں۔ تیرے لئے میرے لئے باعثِ فخر تھیں۔ صدق و وفا

کی دیوی تھیں۔ اور نماز سنوار کر پڑھتی تھیں یہی ان کی اوّلیت تھی۔ دُعا ان کا زیور تھا۔"اور کوئی کام چھوٹے سے چھوٹا جن کو اکثر لوگ یونہی کر جاتے ہیں۔ بغیر دُعا کے کرتے نہیں دیکھا۔ مَیں نے آنکھ کھلتے ہی امّی کو دُعا کرتے دیکھا" یہ وہ الفاظ ہیں جو آپ کی بیٹی نے فرمائے ہیں جس میں کہا گیا کہ تین دفعہ آپ کی جان لینے کی کوشش کی جائے گی۔ اور چوتھی بار اغوا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ حضور نے فرمایا۔ مَیں نے تو خط لے کر جیب میں ڈال لیا۔ کیونکہ پتہ ہی نہیں کہ ڈرکس کو کہتے ہیں۔ پھر مَیں نے سوچا کہ جماعت کیسے گی کہ ہمیں بتایا نہیں۔ اس پر مَیں نے انہیں بتا دیا۔ جب مَیں کینیڈا میں ٹورنٹو پہنچا تو ہوائی اڈے پر سامان وغیرہ کی چیکنگ کے دوران ایئرپورٹ سے باہر علیحدہ ایک عمارت میں لے جایا گیا۔ جہاں احباب جماعت استقبال کے لئے جمع تھے۔ وہاں احباب جماعت سے مصافحہ ہوا۔ منصورہ بیگم نے بھی خواتین سے مصافحہ کیا اور جلدی سے فارغ ہو کر میرے پیچھے آکر کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے غور کیا ایک آدمی غیر محسوس طور پر میرے قریب ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ منصورہ بیگم کی فراست بڑی تیز تھی۔ وہ فوراً بھانپ گئیں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے خط لکھا تھا۔ انہوں نے فوراً ڈیوٹی پر متعین خدام کو بتایا۔ اس پر اُس شخص کو پکڑ لیا گیا۔ اُس نے اعتراف کیا کہ یہ خط مَیں نے ہی لکھا ہے۔ پھر اُسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا"۔ [1]

بیٹی! فراست وخُدا داد شعور کے علاوہ آپ صبر وتحمل کا مجسمہ بھی تھیں۔ ۱۹۵۲ء میں ایک ایسا وقت آیا کہ ناسازگار حالات نے سر کے تاج کو قید وبند کے مصائب میں ڈال دیا۔ لیکن آپ بے حوصلہ نہ ہوئیں۔ بلکہ استقامت سے دعاؤں میں مشغول رہیں۔ کسی ابتلاء پر وہ ٹوٹ پھوٹ کر شکستہ نہ ہوئیں۔ بلکہ ذکرِ الٰہی اور دعاؤں کی ڈھال کو تھامے رکھا۔ الغرض وہ ایسی قرۃ العین تھیں کہ ا۔

[1]: ماہنامہ مصباح فروری ۱۹۸۲ء۔

"اُن کا اوڑھنا بچھونا صرف حضور کی خدمت اور آپ کو آرام پہنچانا اور
آپ کے لئے گھریلو ماحول پیدا کرنا ہی رہ گیا تھا۔ کہ آپ کے کسی کام میں
رکاوٹ نہ ہو۔ حضرت صاحب کا چھوٹے سے چھوٹا کام اپنے ہاتھ سے
کرتیں آپکی دوائیوں کا خیال رکھتیں۔ آپ کی خوراک کا خیال رکھتیں۔ آپ کی
ضروریات کا خیال رکھتیں۔ غرض یہی آپ کا کام تھا۔ اور کوشش کرتیں
کہ حضور کے دو منٹ بھی ضائع نہ ہوں"۔ [1]

روشن ضمیر سیّدہ خلیفۂ ثالث کی نقیب اعلیٰ تھیں۔ وہ کبھی باور نہ کرتی تھیں کہ خدام
پہرہ دے رہے ہیں یہی کافی ہے۔ بلکہ ہمیشہ شاہین کی طرح نگاہ رکھتیں کہ خدانخواستہ
جماعت کا امام۔ محبّت کا سفیر اور احسان و مروّت کا سراپا کسی بدباطن کی شرارت کا
شکار نہ ہو جائے۔ آپ کی بیٹی امۃ الشکور صاحبہ سلمہا اللہ ماں کی عظمت کا ان الفاظ
میں اظہار کرتی ہیں:۔

"ہر آن حضور کا ہی خیال رکھتیں۔ اور اپنی ذات کو بالکل فراموش کر دیا
اپنی کسی تکلیف اور رنج کا اظہار بھی نہ کرتیں کہ کہیں ان کی پریشانی کی وجہ
سے حضور کی توجہ اپنے کام سے نہ ہٹ جائے۔ حفاظت کا ذمہ بھی
اپنے ہی سر لے لیا۔ رات کو گھر کے دروازے خود دیکھتیں کہ کنڈیاں
وغیرہ سب لگی ہوئی ہیں یا نہیں"۔

آپ مزید فرماتی ہیں کہ:۔

"کہیں بھی حضور نے جانا ہو۔ وہ دفتر ہو یا باہر کسی کام سے دروازے
تک خود چھوڑنے جاتیں اور ساتھ جانے والوں کو تاکیدیں کرتیں کہ بیحد
خیال رکھنا غفلت نہ برتنا۔ دَم کر کے پھونکتیں۔ مجھے بھی کہا کرتیں کہ
رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ پڑھ کر پھونکتی رہا کرو۔ خود بھی ہر وقت ابّا کے لئے

[1]:۔ صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ بحوالہ ماہنامہ مصباح فروری ۱۹۸۲ء صفحہ ۵۷

"تڑپ اور اضطرار سے ہمیشہ ہی دعائیں کرتیں۔ .... قدم قدم
پر ساتھ چلنے والی۔ صحیح مشورہ دینے والی تھیں۔ اور یہی کوشش کرتیں کہ
حضور کے سامنے کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے اُن کی طبیعت میں ملال
پیدا ہو۔ اپنی زندگی خاص کر آخری پندرہ سال ایک مجاہدہ میں گزارے
اپنے نفس کو پیچھے ڈال کر ہر چھوٹی بڑی قربانی کی" لے

آپ توکل علی اللہ کی بے مثال تصویر تھیں۔ صبر و رضا کا درخشندہ نمونہ تھیں۔
تقویٰ اور عبادت آپ کا پسندیدہ موضوعِ گفتگو ہوتا تھا۔ جلسہ سالانہ کی تقریروں
میں بھی جو نصائح فرماتیں وہ تمام ذکرِ الٰہی۔ اطاعت۔ تربیت اولاد اور دعا و عمل
کا نچوڑ ہوتیں۔ بے شک آپ حد درجہ مہمان نواز تھیں اور سب سے زیادہ مہمان کی
خاطر مدارت میں آپ کو خوشی محسوس ہوتی تھی لیکن آپ کے اسوہ کی جان آپ کا وہ پیار و
احترام تھا جو آپ نے نصف صدی تک اپنے مقدس شوہر کو دیا۔ آپ کی زندگی حضور
کے قول کے مطابق دو وجودوں کی ایک زندگی تھی۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا
کرکے آپ نے بتا دیا کہ اللہ تعالےٰ کا پیارا وہی ہوتا ہے جو ایک طرف اللہ تعالےٰ
کے حقوق ادا کرے اور دوسری طرف حقوق العباد سے غافل نہ ہو۔

بے شک وہ قرارِ قلبِ امام تھیں پس یہ قرار و سکون کا سفر ۲۷ ستمبر
۱۹۱۱ء سے شروع ہو کر ۳۔ ۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو باغِ جنت میں جا ختم ہوا۔ آپ کی
صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ نے بالکل ٹھیک فرمایا ؎

نہ پیدا ہوا جس کا نعم البدل
وہ انمول ہیرا کہاں کھو گیا؟

لے :- ماہنامہ مصباح فروری ۱۹۸۲ء صفحہ ۴۵

خُدا حافظ!

تمہیں بیٹی خُدا حافظ کہنے سے پہلے مَیں چاہتی ہُوں۔ کہ ایک دو ضروری نسخے اور پرہیز بتاؤں جو تمہاری آئندہ زندگی کے لئے روحانی افزائش کا موجب ہوں۔

سب سے پہلے تو ایک روحانی ورزش کی طرف متوجہ کرتی ہُوں۔ جس میں مداومت لازمی امر ہے۔ وہ توبہ اور استغفار کی ورزش ہے۔ اس کے معنے ہیں کہ انسان خُدا تعالیٰ سے درخواست کرتا رہے کہ اے خُدا میری فطری اور بشری خطاؤں کو معاف فرماتا رہ اور ایسی قوت عطا کر کہ کمزوری نہ ہونے پائے۔ اور اپنی وہ عادت بنا لے کہ قوت اور مدد خُدا سے مانگتا رہے تا آنکہ ٹھوکر سے بچا رہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"وَاَنِ استَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ۔ یاد رکھو کہ دو چیزیں اس امت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے۔ دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔ قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے ورزش کرنے سے مگدروں اور موگریوں کے اٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے۔ اسی طرح روحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ روح کو ایک قوت ملتی ہے اور دل میں استقامت

پیدا ہوتی ہے۔ جسے قوت لینی مقصود ہو وہ استغفار کرے"۔[۱]

روحانی ورزش کے ساتھ ایک نسخہ بھی آزماؤ۔ اور وہ ہے درود شریف کے عطر سے دل وجان کو معطر کرنا۔ درود شریف کی برکات و فیوض کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔

"درود شریف کی طفیل...... مَیں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض عجیب نوری شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتے ہیں اور پھر وہاں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں سے نکل کر اُن کی لاانتہا نالیاں ہو جاتی ہیں اور بقدر حصّہ رسدی ہر حقدار کو پہنچتی ہیں۔ یقیناً کوئی فیض بدوں وساطت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم دوسروں تک نہیں پہنچ سکتا۔

درود شریف کیا ہے؟

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس عرش کو حرکت دینا ہے جس سے یہ نور کی نالیاں نکلتی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا فیض اور فضل حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو لازم ہے کہ وہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے تاکہ اس فیض میں حرکت پیدا ہو"۔[۲]

ہاں بیٹی! ذرا غور سے سنو کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنے ذاتی تجربہ کا ذکر بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔ اُس رات خواب میں دیکھا کہ فرشتے آب زلال کی شکل میں پُر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں۔ اور ایک نے اُن میں سے کہا۔ یہ وہی برکات ہیں جو تُو نے محمدؐ کو بھیجی تھیں"۔[۳]

---

[۱] ملفوظات جلد دوئم صفحہ ۶۷ ؛ [۲] :۔ الحکم مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ ؛ [۳] :۔ براہین احمدیہ صفحہ ۵۰۲ حاشیہ در حاشیہ ۳ ؛

اب رہ گیا پرہیز تو پیاری بیٹی یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے انسان کو چھ سو احکامات پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے۔ اور کچھ ایسے احکام بھی ہیں جن سے بچنے کی اور پرہیز کرنے کی قطعی نصیحت فرمائی ہے۔ طوالت کے خوف سے ان میں سے صرف دو ایک کا ذکر کرتی ہوں وہ ہے تکبر اور بدظنی۔

چونکہ شرک کے بعد تکبر کا درجہ آتا ہے۔ اور تم جانتی ہو کہ شرک ایسا گناہ ہے کہ جسے خدا تعالیٰ معاف نہیں فرماتا۔ لہٰذا یہ گناہ بھی اپنی جگہ بہت بڑی ہلاکت کا موجب ہے۔ جس طرح لوہے کو زنگ کھا جاتا ہے اسی طرح اعمال صالحہ کو تکبر کھا جاتا ہے اور ستر برس کے اعمال کھو دینے سے بہتر یہی ہے کہ انسان تکبر کے موذی مرض سے بچے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"تکبر ایسی بلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ یاد رکھو تکبر شیطان سے آتا ہے اور تکبر کرنے والے کو شیطان بنا دیتا ہے۔ جب تک انسان اس راہ سے قطعاً دور نہ ہو۔ قبول حق و فیضان الوہیت ہرگز نہیں پا سکتا۔ کیونکہ یہ تکبر اس کی راہ میں روک ہو جاتا ہے۔ پس کسی طرح بھی تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے۔ نہ وجاہت کے لحاظ سے اور نہ ذات اور خاندان اور حسب و نسب کی وجہ سے کیونکہ زیادہ تر تکبر انہیں باتوں سے پیدا ہوتا ہے جب تک انسان اپنے آپ کو گھمنڈوں سے پاک و صاف نہ کرے گا اس وقت تک وہ اللہ جل شانہ کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ نہیں ہو سکتا۔" [1]

تمہاری مزید سہولت کے لئے حضور نے تشریح فرمائی ہے۔ سنو!! فرماتے ہیں:۔
"تکبر کیا چیز ہے؟

[1] تقریریں صد ۱۹

ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو حقیر جانتا ہے۔ کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا زیادہ عقل مند ہے یا زیادہ ہنر مند ہے۔ وہ متکبّر ہے۔ کیونکہ وہ خدا کو سرچشمۂ عقل وعلم نہیں سمجھتا بلکہ اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اُس کو دیوانہ کر دے اور اُس کے بھائی کو جس کو چھوٹا سمجھتا ہے اُس سے بہتر عقل اور ہنر دے۔ ۔ .... ایسا وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حُسن اور جمال اور قوت، اور طاقت پر نازاں ہے۔ اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے۔ اور اُس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے وہ بھی متکبر ہے۔ اور وہ اُس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اُس کو بدتر کر دے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ۔ اور تا تم اپنے اہل وعیال سمیت نجات پاؤ۔ خُدا کی طرف جھکو اور جس قدر دنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے تم اُس سے کرو۔ اور جس قدر دنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے تم اپنے خُدا سے ڈرو۔ پاک دل ہو جاؤ۔ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم پر رحم ہو۔" [1]

باقی رہی بدظنّی تو مَیں اس بلا کا کیا کہوں صرف حضور اقدس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے منظوم الفاظ پر خاتمہ کرتی ہوں اور یہی برکتوں کا موجب ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں ؎

تم دیکھ کر بھی بَد کو بچو بد گمان سے
ڈرتے رہو عقابِ خدائے جہان سے

[1]: نزول المسیح صفحہ ۲۴-۲۵

شاید تمہاری آنکھ ہی کر جائے کچھ خطا
شاید وہ بد نہ ہو جو تمہیں ہے وہ بَد نما
شاید تمہاری فہم کا ہی کچھ قصور ہو
شاید وہ آزمائشِ ربِّ غفور ہو
پھر تم تو بدگمانی سے اپنی ہوئے ہلاک
خود سر پہ اپنے لے لیا خشمِ خدائے پاک[1]

اچھا بیٹی خُدا حافظ۔
میری دُعا ہے کہ خُدا تعالیٰ تمہیں قرۃ العین بنائے اور ہر آزمائش اور اختلاف سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین ؀

[1]:- درِّثمین اُردو ؀

نام کتاب .. .. .. قرۃ العین
نام مصنفہ .. .. .. سیدہ حفیظۃ الرحمن
تاریخِ طبع .. .. اگست ۱۹۸۷ سنہء
تعداد اشاعت .. .. ایک ہزار
کتابت .. .. محمد ارشد خوشنویس
پرنٹر .. .. شاہ پرنٹنگ سروسز۔کراچی
الناشر .. .. سیدہ حفیظۃ الرحمن A-51 بلاک 2، گلشن اقبال کراچی